Regd.# MC-1366

• جلد 11 / • شمارہ 05 / • نومبر / 2021

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

ہماری طاقت کا مرکز

عالمگیریت میں فرد کی شناخت

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

میں جگنو ہوں

سرطان

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو ، انگریزی)

پہلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

• تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
• شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
• حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
• اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
• بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
• اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی
اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust baitussalamwelfaretrust Baitussalam
baitussalam_org 923162881088 Baitussalam_Org

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

نومبر 2021

فہم وفکر

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

قابل اقتداء ہستیاں	حذیفہ رفیق	10
عالمگیریت میں فرد کی شناخت	ام نسیبہ	11
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	13
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	16
سرطان	حکیم شمیم احمد	18

خواتین اسلام

تیری راہ میں	زینب گوہر	21
تربیت	عروش اسد	22
میرے ہم سفر......!!!	حفصہ فیصل	24
اصل حقیقت	کائنات غزل	26
دنیا کی محبت	بنت ایوب مریم	27
بلاعنوان	صبا مسعود	28
یقین کا سفر	ایشاء گل	30
کانچ	ماورہ زاہدہ	30

باغیچہ اطفال

میں بکنو ہوں	قرۃ العین خرم ہاشمی	32
گھر کی مرغی دال برابر	ڈاکٹر الماس روحی	33
میں جنت جاؤں گا	ام محمد عبد اللہ	35
ابتا مدور	ثانیہ ساجد	36
داج ہنس	فوزیہ خلیل	38
دانت کی کہانی	ام محمد مصطفیٰ	39
ماحول ہمارا دوست	محمد بشر	39
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزم ادب

مدحت ختم الرسل ﷺ	احمد ظہور	42
منقبت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ		44

اخبار السلام

یتیموں کا سائبان	خالد معین	46

زیر سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظر ثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،

بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ :	40 روپے
سالانہ فیس :	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک :	35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مدیر کے قلم سے

عسکری محاذ کے بعد اب فکری محاذ کی باری ہے۔

پہلے عسکری محاذ میں بیس سال تک لاکھوں کروڑوں اربوں نہیں، بلکہ کھربوں ڈالر جھونک دیے، اب پورا زور فکری پروپیگنڈے اور کردار کشی پر ہے

عسکری محاذ میں بھی غرور تھا، "پتھروں کے دور" تک پہنچانے کا دعویٰ تھا اور اب بھی مغربی میڈیا کو "مشرق کی اسلامی قوت" کی فتح ہضم نہیں ہو رہی

ایک بدمست ہاتھی دنیا کے دوسرے کنارے سے آتا ہے اور لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، وہ تب بھی دہشت گرد نہیں،

ایک اسلامی قوت اپنے ملک کی تنہا قوت ہے، ایک کابینہ ہے، ایک فوج ہے، لیکن پھر بھی وہ "ملک کی نمائندہ قوت" نہیں کہلا سکتی۔

تم غدّارِ وطن سب اکٹھے کر کے لے جاؤ تو وہ "پناہ گزین" کہلاتے ہیں۔ تم اپنے مفاد کے لیے قطر میں سالہا سال سے دفتر بنائے رکھو تو یہ "سیاسی عمل" کہلاتا ہے۔ تم ڈیڑھ دو سال ناک سے لکیریں نکال کر دوحہ معاہدہ کر لو تو یہ "مذکرات" کہلاتے ہیں۔ یہاں تھے تو بھیگی بلی بن کر "پر امن واپسی" کی بھیک مانگتے رہے اور اب ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر اپنے ملک پہنچ گئے ہو تو کھسیانی بلی کھمبا نوچنے کے لیے تحقیقات کرتی پھر رہی ہے کہ کس کس نے مالی، سیاسی یا طبّی امداد دی تھی اس اسلامی قوت کو۔

سچی بات یہ ہے کہ عسکری محاذ کی جنگ ختم ہو چکی ہے، دشمن اپنے تمام وسائل بارود میں جھونک کر بھی یہ جنگ ہار چکا ہے، مگر فکری محاذ کا نائن الیون ابھی شروع ہوا ہے۔ اس میں انسان قتل اور شہید نہیں ہوتے، اس میں فکروں کا اغوا اور نظریوں کا خون ہوتا ہے۔ اس میں قومیں بہ ظاہر جیتی جاگتی ہوتی ہیں، مگر فکروں کو مفلوج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اپنی ہار کو بھی جیت دکھانے کے لیے اتنا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ "فاتح" کی خوبی خامی نظر آنے لگتی ہے۔ مغربی میڈیا "فاتح" کی منظّم فوج کو بھی ابھی تک "جنگجو" اور "جتھے" بنا کر ہی دکھا رہا ہے، پردہ تو مسلم خواتین تقریباً تمام ممالک میں ہی کر رہی ہیں، مگر "فاتح" کی خواتین کے پردے کو بھی یوں بدنام کیا جا رہا ہے کہ "یہ تو برقع لگتا ہے، نہ حجاب، بلکہ یہ تو چلتے پھرتے آسیب لگ رہے ہیں۔" جب مغربی میڈیا کو کوئی اور بہ حوالہ بات بدنام کرنے کو نہیں ملتی تو اس کے صحافی کو سڑک پر راہ چلتی نامعلوم خاتون کا یہ جملہ کان میں پڑ جاتا ہے کہ "کاش! "میں بتا سکتی کہ یہ سامنے کھڑے "فاتح" لوگ کیسے ہیں! اسے کہتے ہیں کہ کردار کشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اور یہ کوئی آج کی گیم نہیں۔ یہ وتیرہ باطل کا چودہ سو سال پہلے سے ہے۔

مکہ کی وادی ہے۔ نوجوان عرب کا مانا تانا صادق وامین ہے۔ قصور اتنا کہ اسلام کی دعوت لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر تو وہ پروپیگنڈا کیا کہ خدا کی پناہ! یہ کاہن ہے، یہ جادوگر ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنوں ہے، معاذ اللہ! پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شعبِ ابی طالب میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا، کوئی ان سے میل جول نہیں رکھ سکتا تھا، کوئی ان سے تجارت نہیں کر سکتا تھا، کڑی نظر رکھی جاتی تھی اس پر، ایک دو دِن نہیں، ایک دو ماہ نہیں، پورے تین سال بائیکاٹ رکھا کہ یہ لوگ بھوک سے تنگ آ کر اسلام کو چھوڑ دیں گے، مگر

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آج پھر وہی ہتھیار ہے کہ اتنی کردار کشی کی جائے کہ لوگ اچھوت سمجھنے لگیں، کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو، کوئی تجارتی معاہدہ نہ کرے۔

قارئینِ گرامی! ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں میڈیا کے دجّل، جھوٹ اور پروپیگنڈے کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

سمجھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ میڈیا کا اشتہار ہو، ڈراما یا خبر نامہ، یہ فکری جنگ کا حصہ ہے اور یہ جنگ کسی سرحد کی پابند نہیں، بلکہ ہمارے گھروں اور بیڈ روم میں لڑی جا رہی ہے۔ اور ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ جن پروگراموں کو ہم تفریح کے لیے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جن پوسٹوں کو ہم بے سوچے سمجھے فارورڈ کر رہے ہوتے ہیں، یہ دشمن کے فکری وار ہیں، جن سے ہمیں خود بھی چوکنا رہنا ہے اور امتِ مسلمہ کو بھی بچانے کی فکر کرنی ہے، بلکہ ابھی تو اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرح زبانی، سیاسی اور معاشی طور پر اسلامی قوتوں کو مضبوط کر سکتے ہیں اور یقینی مانیے اس فکری یلغار کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لیے اپنے دینی قلعوں اور فکری مورچوں مساجد و مدارس کو مضبوط کرنے کی بھی ضرورت ہے اور ان سے جڑے رہنے کی بھی۔ اور جب تک اسلام کے یہ گلشن پھل پھول رہے ہیں، دشمن کو عسکری محاذ کی طرح فکری محاذ میں بھی منہ کی ہی کھانی پڑے گی۔ والسلام

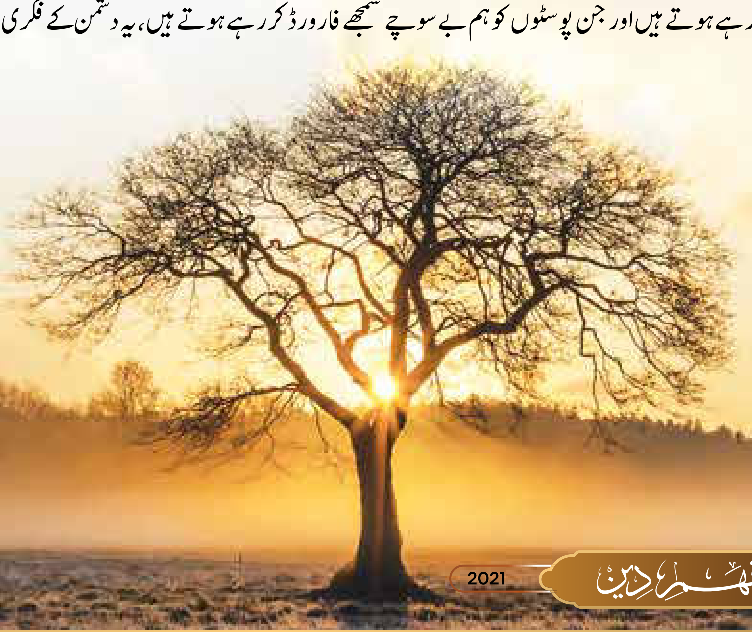

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 101-104

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ
اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا 101

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو۔ یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ 101

تشریح نمبر 1: اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز آدھی کر دی ہے۔ اسے "قصر" کہا جاتا ہے۔ عام سفروں میں قصر ہر حالت میں واجب ہے، چاہے دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، لیکن یہاں ایک خاص قسم کے قصر کا ذکر مقصود ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت ہی ہو سکتا ہے، اس میں یہ چھوٹ بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ہی امام کے پیچھے باری باری ایک ایک رکعت پڑھے اور دوسری رکعت بعد میں تنہا پوری کرے، جس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے، چوں کہ یہ خاص قسم کا قصر، جسے "صلاۃ الخوف" کہتے ہیں، دشمن کے مقابلے کی حالت ہی میں ہو سکتا ہے، اس لیے یہاں قصر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ "اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے۔" (ابن جریر) آں حضرت ﷺ نے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر "صلاۃ الخوف" پڑھی ہے۔ اس کا مفصّل طریقہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

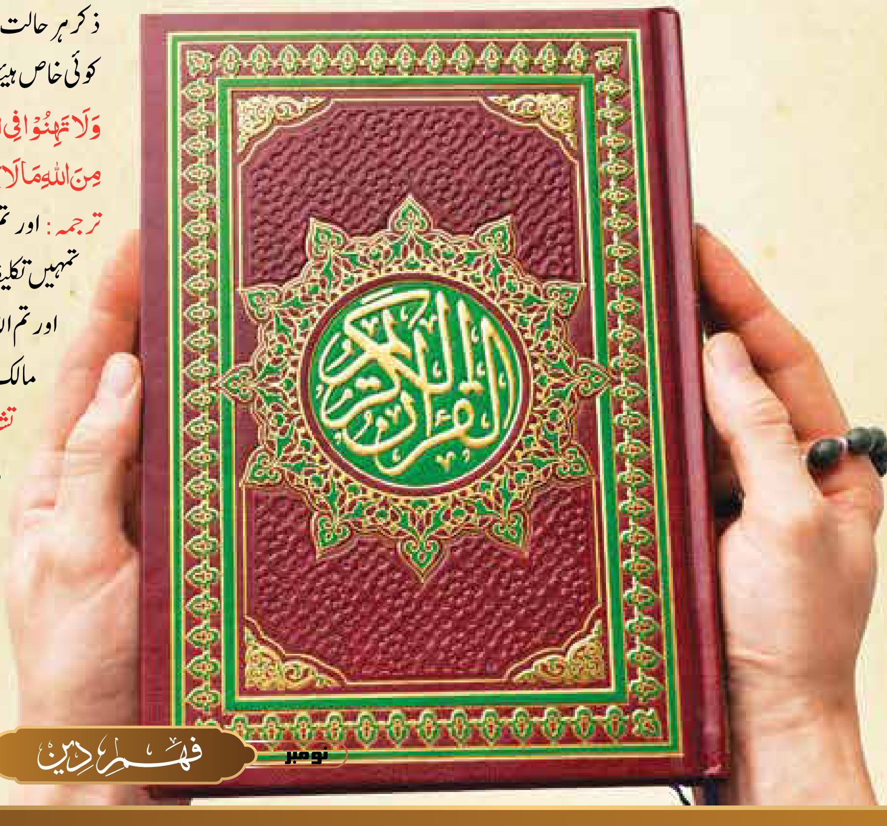

وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ
طَآئِفَۃٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا
سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ
اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ
وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ
وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ
اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ وَ خُذُوْا
حِذْرَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا 102

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انھیں نماز پڑھاؤ تو (دشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور ہتھیار ساتھ لے لے، پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو، آگے آجائے اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے۔ کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو، ہاں! اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو، بیشک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ 102

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ
فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا 103

ترجمہ: پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے رہو، کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، پھر جب تم (دشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو۔ بے شک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔ 103

تشریح نمبر 2: یعنی سفر یا خوف کی حالت میں نماز میں تو قصر ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کا ذکر ہر حالت میں جاری رہنا چاہیے، کیوں کہ اس کا نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے، نہ کوئی خاص ہیئت۔ وہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا 104

ترجمہ: اور تم ان لوگوں (یعنی کافر دشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دِکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی اسی طرح تکلیف پہنچی ہے، جیسے تمہیں پہنچی ہے اور تم اللہ سے اس بات کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ 104

تشریح نمبر 3: جنگ کے اختتام پر لوگ تھکے ہوئے ہوتے ہیں اور اس وقت دشمن کا تعاقب بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر جنگی مصلحت ہو اور امیر حکم دے تو تعاقب واجب ہے، ایسے میں یہ سوچنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح ہم تھکے ہوئے ہیں، دشمن بھی تو تھکا ہوا ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور ثواب کی جو امید ہے، وہ دشمن کو حاصل نہیں ہے۔

فہمِ حدیث

"تحیۂ اسلام، سلام"

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی عمران بن حصینؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ "ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں "اَنْعَمَ اللّٰہُ بِكَ عَيْنًا" (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور "اَنْعِمْ صَبَاحاً" (تمہاری صبح خوش گوار ہو) کہا کرتے تھے۔ جب ہم جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی، یعنی اس کے بجائے ہمیں "السلام علیکم"، کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی ہم غور کریں تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لیے سوچا نہیں جا سکتا۔ یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کے لیے شفقت اور مرحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لیے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے اور پھر "السلام" اسمائے الٰہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ کلمہ انبیا و رسل علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

سَلَامٌ عَلٰى نُوحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ ... سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ...

سَلَامٌ عَلٰى مُوسٰى وَهَارُوْنَ ... سَلَامٌ عَلٰى اِلْيَاسِيْنَ ...

سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ... سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ...

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَاَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہنچ جاؤ گے، سلامتی کے ساتھ۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے۔ ایک خداوند رحمٰن کی عبادت (یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو دراصل مقصدِ تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کو ادا کیا جائے) دوسرے اطعام طعام، یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں، عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطورِ ہدیہ اخلاص و محبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت و الفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے اور بخل جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہے) تیسرے "السلام علیکم" اور "وعلیکم السلام" اور کو جو اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہے، اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسا رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی لہروں سے معمور ہے۔ ان کاموں پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی ہے: "تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

سلام کا اجر و ثواب

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حَصِيْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ عَشْرٌ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس (یعنی اس بندے کے اس سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیس (یعنی اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر تیسرا آدمی آیا اس نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیس (یعنی اس کے لیے تیس نیکیاں ثابت ہو گئیں) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

IT'S PERI PERI TASTY

A portfolio of sauces specifically put together & made from signature chilli 'PERI PERI' with varying heat levels to meet & relish your taste palate. This range encompasses something for everyone from starter to an extreme heat lover for PERI PERI diehards.

BEST WITH

Grilled Chicken | Peri Bites | Drumsticks | Steaks

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

ہماری طاقت کا مرکز

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللّٰہ

ارشادِ ربّانی ہے :

اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ فَسَادٌ کَبِیۡرٌ

اللہ کے نبی ﷺ کا دور ہے۔ آپ کے ساتھی مہاجرین اور انصار آپ کے معاون اور مددگار ہیں۔ اس وقت کی یہی اسلامی برادری ہے۔ یہ چھوٹی سی جماعت عظیم ملتِ اسلامیہ کا آغاز ہے۔ اللہ ان کے اندر اسلامی اخوت کی روح پیدا کرنا چاہ رہے ہیں۔ اسلامی بھائی چارے کی اہمیت بتانا چاہ رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ اگر یہ اسلامی برادری ایک اکائی پر نہ بنی، ایک وحدت نہ بنی اور باہم آپس میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار نہ بنے اور ان میں اسلامی ایمانی رشتے میں استحکام نہ آیا تو پھر دنیا کو فساد سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ بڑا فتنہ آئے گا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ امتِ مسلمہ جس نے قیامت تک اللہ کے نبی کی نیابت کا کام کرنا ہے اور یہ امت پوری کی پوری اپنے نبی کی نمائندہ ہے، لیکن یہ ذمہ داری بجا طور پر صحیح طور پر ادا ہونے کے لیے ان کے دلوں کا آپس میں جڑنا ضروری ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: تم مسلمان آپس کے اس تعلق میں اور باہمی محبت میں ایک دوسرے سے تعاون میں یوں لگو جیسے ایک جسم ہوتا ہے، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے :

اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ کَرَجُلٍ وَاحِدٍ
اِنِ اشۡتَکٰی عَیۡنُہٗ اِشۡتَکٰی کُلُّہٗ وَاِنِ اشۡتَکٰی رَاۡسُہٗ اِشۡتَکٰی کُلُّہٗ

ایمان والے تو ایک جسم ایک جان کے مختلف اعضا و جوارح کی طرح ہیں، ساری مسلم برادری ایک جان کے مختلف اعضا اور جوارح کی مانند ہیں، اگر جسم کی آنکھ دُکھتی ہے تو اس کا درد پورا جسم محسوس کرتا ہے، اگر سر میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلۡمُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِ کَالۡبُنۡیَانِ یَشُدُّ بَعۡضُہٗ بَعۡضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیۡنَ اَصَابِعِہٖ

فرمایا: ایک ایمان والے کی دوسرے ایمان والے کے لیے حیثیت ایسی ہے، جیسے مضبوط عمارت کے مختلف اجزا، اس عمارت کا ہر جز دوسرے جز سے جڑا ہوتا ہے اور اس طرح ایک مضبوط قلعہ بن جاتا ہے۔ اب یہ امت ایک قلعے کی مانند ہے اور اس کی اینٹیں اور پتھر ہر مسلمان ہے اگر یہ آپس میں جڑے ہوئے ہیں تو یہ ایک مضبوط قلعہ ہے، ان کا اپنا بھی تحفظ ہے۔ یہ دوسروں کا بھی تحفظ کریں گے، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونے کے طور پر ایک مثال پیش کی، پھر آپ نے اپنی انگلیاں اپنی انگلیوں میں ڈالیں، پھر یوں فرمایا کہ دیکھو اس میں کہیں کوئی خلا نہیں ہے، مسلمانوں میں ایسے کہیں افتراق نہ ہو، کہیں انتشار نہ ہو، مسلمان اسی طریقے سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں۔ یہ وہ اسلامی رشتہ ہے جو مسلمانوں کی طاقت کا مرکز ہے اور اللہ نے اہلِ ایمان سے کہا: اگر تم نے آپس میں اتحاد و اتفاق کرکے یہ قوت نہ بنائی تو دنیا میں فساد ہی فساد ہوگا، فتنہ ہی فتنہ ہوگا اور سب سے بڑا فتنہ کیا ہے؟ سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی اس ٹوٹ پھوٹ سے مسلمان کمزور ہو گئے، کفر غالب آگیا اور کفر کے اس غلبے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اسلام پر چلنا مشکل ہو گیا۔ مسلمانوں کی اولاد کے لیے مسلمان رہنا مشکل ہو گیا۔ یہ کفر کے اس غلبے کا نتیجہ ہے اور در حقیقت مسلمانوں کے آپس کے افتراق کا نتیجہ ہے۔

صدیوں پہلے کی گئی قرآن کی پیشین گوئی، آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ جب مسلمان ایک نہیں ہوئے اور ان کی اسلامی اخوت کمزو ہوتے ہوتے انھیں اس سطح پر لے آئی کہ آج دنیا فساد زدہ ہو چکی ہے۔ ایسا فتنہ ہو گیا ہے کہ ہر مظلوم اور کمزور کی جان، مال، عزت و آبرو غیر محفوظ ہو گئی ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتے کی اہمیت سمجھاتے ہوئے فرمایا: جن لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات کی اور مسائل کی فکر نہیں ہے، وہ تو پھر مسلمانوں میں سے نہیں ہیں اور جس کی صبح و شام یوں نہ ہو کہ وہ اللہ کا اور اللہ کے رسول کا اور اس کی کتاب کا اور خلیفۃ المسلمین کا اور عام مسلمانوں کا مخلص خیر خواہ نہ ہو، اس کا اس امت سے کوئی تعلق نہیں، یعنی اسلامی رشتہ ”رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ“ کی عملی تصویر ہوتا ہے۔

کتنی بد قسمتی ہے کہ اسلام کے رشتۂ اخوت سے محروم ہونے کی وجہ سے آج مسلمانوں کے لیے کفر کے ساتھ کھڑا ہونا آسان ہے، مسلمان کے لیے مسلمان کے ساتھ کھڑا ہونا مشکل ہے۔ آج اسلامی دنیا کے لیے کفر کے ساتھ اتحاد آسان ہے، مسلمان حکومت کے ساتھ اتحاد مشکل ہے۔ آج اسلامی دنیا کے لیے کفر کی دنیا کے ساتھ مددگار اور معاون بننا آسان ہے، کسی مسلمان خطے کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ رشتہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے، جس کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ بتا کر گئے تھے کہ مسلمان مسلمان پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ مسلمان تو وہ ہوتا ہے جو کسی مسلمان کو مظلوم بننے کے لیے بے یار و مددگار بھی نہیں چھوڑتا تو آج مسلمان من حیث القوم اسلامی رشتہ سے محروم ہے اور اسے تقسیم کر دیا گیا کچھ ہم خود تقسیم ہو گئے اور کچھ اہلِ باطل نے ہمیں تقسیم کر دیا ہے۔ ہم زبانوں میں بٹ گئے، علاقوں میں بٹ گئے، قوموں میں بٹ گئے، برادریوں میں بٹ گئے، فرقوں میں بٹ گئے، امت نہ رہے بلکہ بسا اوقات امت کے لیے بھی کچھ مدد کرنا بھی اجنبی لگتا ہے۔

ہم شام کے مسلمانوں کی مدد کے لیے گئے۔ ہمارے مخلص ساتھی کھڑے ہوئے تو بہت سارے نادان کہنے لگے: کیا اپنے ملک میں کم ہیں؟ ہم فلسطین کے لیے کھڑے ہوئے، لوگوں کو بات سمجھ میں نہیں آئی، ہم برما کے مسلمانوں کے لیے کھڑے ہوئے اور الحمد للہ! قانون کے تحت جو ہم سے بن سکا ہم نے کیا اور اب الحمد للہ! پڑوسی ملک کی باری آئی ہے۔ الحمد للہ! ہم اس اسلامی رشتے کی وجہ سے ان کے ساتھ بھی کھڑے ہوئے، قانون کے دائرے میں رہ کر یہ ہمارا فریضہ ہے، ہم بحیثیت مسلمان ایک قوم ہیں، لیکن آج باطل نے ہمیں اتنا دور کر دیا کہ میں عرض

کر رہا ہوں مسلمان کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہوگیا۔ اسلامی ملک کا اسلامی ملک کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہوگیا، کفر کے لیے اتحاد آسان ہے، کفر کا ساتھ دینا آسان ہے، شیطانی قوتوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کھڑا ہونا آسان ہے، لیکن اسلامی اتحاد قائم کرنا بڑا مشکل ہوگیا ہے۔ یہ باطل نے ایسی محنت کی اس لیے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی قوت کا راز ایمانی اسلامی رشتہ ہے۔ مسلمانوں کی طاقت کا مرکز اسلامی اخوت ہے۔ اس لیے وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ مسلمان مسلمان کی مدد کے لیے کھڑا ہو جائے، مسلمان مسلمان کا مخلص معاون بن جائے، ہاں! مسلمانوں میں نفرت ڈالنی ہے۔ آپ نے فرقہ واریت پھیلانی ہے۔ زبان اور علاقے کا جھنڈا اٹھانا ہے۔ کفر آپ کے پیچھے کھڑا ہوگا، باطل آپ کے پیچھے کھڑا ہوگا، وہ آپ کا معاون بنے گا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی ہے، لیکن اگر کوئی مسلمانوں کو ایک کرنا چاہے، کلمہ لاالہ الااللہ پر اکٹھا کرنا چاہے، نہ آج دنیائے کفر کو یہ برداشت ہے، نہ آج کے منافقین کو برداشت ہے۔ یہ بڑی کڑوی گولی ہے دنیائے کفر کے لیے کہ مسلمان ہو کر ایک مسلمان کی مدد کرے اور دیارِ غیر کسی دوسرے ملک میں جا کر یہ اسے برداشت نہیں ہے اور سولِ کریم ﷺ اپنی امت میں رشتہ بنا کر گئے ہیں کہ تم سب ایک برادری ہو، تم سارے کے سارے ایمان والے ایک جسم کی مانند ہو۔

صہیب روم کے ہیں، سلمان فارس کے ہیں، بلال حبشہ کے ہیں، سبحان اللہ! مدینہ کی گلیوں میں یوں لگتے ہیں، جیسے ایک ماں باپ کی اولاد ہوں۔ یہ اسلامی رشتے کی برکت ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابو بکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا ہے، وہ بلالؓ ہے۔ خود بھی سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا ہے۔ حبشہ کے رہنے والے ہیں۔ ذات کے غلام ہیں، لیکن اسلامی رشتے سے کیا جڑے کہ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ بلال ہمارا سردار ہے۔ یہ عزت کیوں بخشی جا رہی ہے؟ اس لیے کہ یہ اسلامی برادری کا فرد ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

قرآن کہہ رہا ہے، دنیا بھر کے کفار ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہیں۔ اسلام دشمنی میں سب ایک ہیں۔ ہاں مفادات میں تقسیم ہو سکتی ہے، ان کی اپنی اغراض میں کچھ تقسیم ہو سکتی ہے، لیکن اسلامی قوانین کی مخالفت میں سب ایک جیسے ہیں، اسلامی نظام کی مخالفت میں سب ایک ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے: مسلمانو! اگر تم ایک نہ ہوئے اس لاالہ الااللہ پر، اس ایمان پر، اس ایمانی اسلامی رشتہ پر ایک نہ ہوئے تو پھر کیا ہوگا؟ زمین پر بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ تو یہ فتنہ آج ہر طرف نظر آرہا ہے۔ آج مسلمانوں کے لیے حلال کمانا مشکل ہے، حرام کمانا آسان ہے۔ آج مسلمانوں کی بچیوں اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بے دین ہونا ضروری ہے، بے حیا ہونا ضروری ہے، اعلیٰ تعلیم کے لیے، ان کے لیے ایمان کا خطرہ لینا ضروری ہے۔ ایسا ماحول مسلمان بچیوں کو میسر نہیں کہ وہ تعلیم بھی حاصل کریں اور مضبوط ایمان والے بھی رہ سکیں، وہ اعلیٰ تعلیم بھی بچیاں لے سکیں اور ان کے اندر عفت و پاک دامنی اور حیا کا جوہر بھی موجود ہو اور دنیا کی اعلیٰ تعلیم بھی لے سکیں اور ان کے اندر غیرت بھی موجود ہو، ایمان کا نور بھی موجود ہو، آج یہ کفر کا غلبہ ہے اور اس کی وجہ مسلمانوں کا آپس میں ایک نہ ہونا ہے۔ آج دیکھیے ناں! دنیا میں 55 سے زیادہ اسلامی ملک ہیں، بتایئے کتنے ملک ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے لیے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ کفر کو برداشت نہیں ہے۔ ہاں! کافر کھڑا ہو جائے تو اس کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا لیں گے۔ آج اگر کفر کو مدد کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ اتحاد اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں، لیکن آج مسلمانوں کو اگر مدد کی ضرورت ہے، کسی بھی مسلمان ملک کو ہمت نہیں ہو رہی، کسی بھی مسلمان کے اندر یہ طاقت نہیں، یہ وہ کمزوری ہے جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے صدیوں پہلے قرآن میں بتایا کہ مسلمانو! اسلامی رشتے کو مضبوط کرو، اسلامی برادری کو مضبوط کرو، ہم تو تقسیم در تقسیم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اتنی تقسیم ہو گئی کہ فرقوں میں تقسیم ہوئے، زبانوں میں تقسیم ہوئے، اب برادریوں میں تقسیم ہو گئے اور جب یہ برادریوں میں تقسیم ہوتے ہیں تو اس برادری میں جب انتخابات ہوتے ہیں، آپس میں ایک برادی کے ایسا لگتا ہے، جیسے ہندوستان پاکستان کی جنگ ہو رہی ہے، ایسی نفرت ہی نفرت ہوتی ہے۔ اسلامی رشتہ ہر آئے دن کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے دل کے اندر مسلمانوں کا درد نہیں، مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہیں تو یہ اچھے طریقے سے یاد رکھیں! اسے اسلام کی حقیقت نصیب نہیں، اسے ایمان کی روح نصیب نہیں ہے، جب جسم کے کسی ایک حصے پر فالج گر جائے تو تب وہ حصہ دوسرے جسم کے حصے کی تکلیف محسوس نہیں کرتا، جب مسلمانوں کے ایمانی اور دینی زندگی پر گناہوں کا فالج گر جائے اور لقمۂ حرام کا فالج گر جائے گا اور دنیا پرستی کا فالج گر جائے، تب وہ مسلمانوں کا درد اپنا درد محسوس نہیں کرتا، تب انھیں تکلیف محسوس نہیں ہوتی، ان کے اندر فالج گرا ہوا ہے، تبھی مسلمانوں کا درد اور تکلیف کا انھیں احساس نہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں تر و تازہ ایمان نصیب فرما دے اور امتِ مسلمہ کے اندر پھر ایمانی، اسلامی اخوت کو زندہ فرمائے۔ آمین!

ابو اسحاق سَبِیعی

حذیفہ رفیق

تعارف

پورا نام: عمرو بن عبداللہ بن علی۔ کنیت: ابو اسحاق۔ قبیلہ: سبیع۔

صفات: بڑے تابعین میں سے تھے، کوفہ کے شیخ، عالم اور محدّث تھے۔

علاقہ: کوفہ تاریخ پیدائش: 33ھ تاریخ

وفات: ربیع الآخر 127ھ

مشہور اساتذہ: معاویہ، عدی بن حاتم، عبد اللہ بن عباس، براء بن عازب، زید بن ارقم، عبد اللہ بن عمرو بن عاصمشہور

تلمیذ: ابن شہاب زہری، منصور بن معتمر، اعمش

اساتذہ

تابعین میں بھی طبقات اور درجے ہیں، حدیث کے ایک بڑے عالم امام حاکمؒ نے تابعین کو پندرہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ابو اسحاقؒ کا شمار تابعین کے اعلی طبقے میں ہوتا تھا، جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کئی صحابہ سے علم حاصل کیا، اوپر ذکر کردہ صحابہ کے علاوہ ابو جُحیفہ، سلیمان بن صرد، عمارہ بن رویبہ، عبداللہ بن یزید اور بھی کئی صحابہ سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا علم حاصل کیا۔ ان تمام صحابہ جن سے انھوں نے علم حاصل کیا، ان کی تعداد تقریباً 38 تک پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ تابعین میں سے بھی علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع، ضحاک بن قیس اور بھی کئی بڑے تابعین ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔

اور ان سے علم حاصل کرنے والے بھی بڑے علما بنے، اوپر جو نام گزرے ان کے علاوہ چند نام یہ ہیں: مسعر بن کدام، سفیان ثوری، شعبہ بن حجاج۔ اس کے علاوہ بھی بہت بڑی تعداد نے اس علم حاصل کیا۔

قرآن کا ذوق

قرآن سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، ہر تین دن میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے۔

گرمیوں کی راتوں میں تو پوری رات نماز میں گزار دیتے تھے اور سردی کی لمبی راتوں میں رات کا کچھ ابتدائی حصہ عبادت فرماتے، پھر تھوڑی دیر آرام کرتے اور پھر رات کے آخری حصے میں اٹھ کر دوبارہ نماز میں مشغول ہو جاتے۔

اور عبادت کا یہ ذوق، ایک نہیں کئی محدّثین، علما اور فقہا کے حالات میں ملتا ہے اور یہ اس زمانے کے لحاظ سے عام معمولی کی بات ہے، عوام عبادت کو علم کا لازمی حصہ سمجھتے تھے۔

اللہ تعالی ہم سب کو اپنی محبت اور قرب کی لذت سے آشنا فرمائے۔ آمین

ابو اسحاق علما کی نظر میں

سلیمان اعمشؒ اس زمانے کے بڑے محدث تھے اور محدّثین کے یہاں بہت بڑا مقام رکھتے تھے، وہ ابو اسحاقؒ کی بہت قدر فرماتے تھے اور ان کے حافظے کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ اس زمانے میں صرف احادیث ہی یاد نہیں کی جاتی تھیں، بلکہ محدّثین جس استاذ سے حدیث نقل کرتے، ان کا نام اور حالات اور ان استاذ سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک جتنے محدّثین نے حدیث نقل کی ہوتی، ان سب کے نام اور حالات بھی یاد کرتے تھے اور ان محدّثین کو ''رُوات حدیث'' کہتے ہیں۔ اعمشؒ، ابو اسحاقؒ سے بہت زیادہ اس لیے متاثر تھے کہ ابو اسحاقؒ کو احادیث کو بہت پختہ یاد تھی ہی، لیکن ساتھ ساتھ ''رُوات'' کے بارے میں بھی ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔

علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں: اس امت کے علم کی حفاظت چھ لوگوں نے کی ہے (یعنی اس زمانے میں)، کوفہ میں: ابو اسحاقؒ اور اعمشؒ، بصرہ میں: قتادہؒ اور یحیٰ بن کثیرؒ، مدینہ میں: ابن شہاب زہریؒ، مکہ میں: عمرو بن دینارؒ۔

ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں: میں نے ابو اسحاقؒ کو کبھی کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا اور جب صحابہ میں سے کسی کا تذکرہ فرماتے تھے تو ایسے تذکرہ فرماتے تھے کہ جیسے سب سے افضل صحابی ان کی نظر میں وہی صحاب ہے۔ (یعنی صحابہ کا تذکرہ بڑی شان اور اہتمام سے فرماتے تھے۔)

ابو داود طیالسیؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا علم گویا سمٹ کر چار لوگوں میں جمع ہوتا ہے، ابن شہاب زہریؒ، قتادہؒ، ابو اسحاق سبیعیؒ، سلیمان بن مہران اعمشؒ۔ زہریؒ سند میں سے ماہر تھے، قتادہؒ محدّثین کے مختلف اقوال کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ ابو اسحاقؒ حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے اور اعمشؒ اس سب کا مجموعہ تھے۔

بھاری ذمہ داری

علم حاصل کرنے کے بعد اس کے لیے مطلوبہ صفات کا حاصل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے، ورنہ اس علم سے فائدہ کے بجائے نقصان ہو جاتا ہے اور یہی علم ذریعہ نجات بننے کے بجائے پکڑ اور سزا کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ابو اسحاقؒ عمدہ صفات اور اعلی اوصاف حاصل کرنے کے باوجود اس علم کے حق کی ادائیگی کے بارے میں اس قدر فکر مند تھے کہ فرماتے تھے:

وَدِدْتُ أَنِّي أَنْجُو مِنْ عِلْمِي كَفَافاً

میری تو یہ تمنّا ہے کہ میں (روز قیامت) اس علم سے برابر سرابر چھوٹ جاؤں! یعنی یہ تو امید نہیں ہے کہ مجھے اس علم کی وجہ سے بہت بڑے درجات ملیں، لیکن بس اتنی آرزو ہے کہ اسی علم کی ناقدری کی وجہ سے عذاب اور پکڑ میں نہیں آ جاؤں۔ یہ تو ان کا کہنا تھا کہ اپنے بارے میں، ورنہ وہ تو اس علم کے بڑے قدر دانوں میں سے ایک تھے!

بقیہ صفحہ 12 پر

عالمگیریت میں فرد کی شناخت

امِّ نسیبہ

قرآنِ کریم نے خالقِ کائنات کا پہلا تعارف "رب العالمین" کی صفت سے کروایا ہے۔ رب اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو ابتدا سے لے کر انتہا تک بتدریج پہنچائے تو آخری آسمانی کتاب کے مطابق خالقِ کائنات عالمین کے رب ہیں۔ وہ عالمین کے بطور ایک وحدت کے بھی اور عالمین کے تمام افراد کے فرداً فرداً بھی رب ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات اور اس کے اجزا میں باہمی قدرتی ربط موجود ہے۔ یہی ربط وہ فطری رشتہ ہے جو کسی بھی وحدت وقت کی سلامتی اور اس کے اجزا کی بقا کا ضامن ہے۔

عالم گیریت: عام طور پر عالم گیریت کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ عالم گیر معیشت، سیاست، سماج اور تہذیب و اقدار کے فروغ کا نام ہے۔

اس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ عالم گیریت ایک قدرتی عمل ہے جو مختلف پس منظر کے معاشروں کے باہمی ربط کا مظہر ہے۔ اگر ایسا ہوتا تب بھی اس کی اکائیوں اور پھر ان اکائیوں کے افراد کی شناخت کا مسئلہ بہر حال ایک ناقابل نظر انداز مسئلہ ہوتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالم گیریت ایک مخصوص گروہ کے ہمہ گیر معاشی تسلط کا نام ہے۔ اس کی سیاسی و سماجی جہات محض اس معاشی تسلط کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے بروئے کار لائی جاتی ہیں۔

سیاسی پہلو: چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کو عالم گیریت کا سیاسی نظام قرار دیا جاتا ہے اور جہاں ضرورت پڑتی ہے، وہاں جمہوریت کے تحفظ کے نام پر مقامی وسائل پر یہ گروہ قابض ہو جاتا ہے اور جہاں جمہوریت ان کی اس معاشی ڈاکا زنی کی راہ میں روکاوٹ بن جائے، وہاں یہی گروہ پوری قوت سے بادشاہت اور ڈکٹیٹر شپ کی تائید کرنے لگتا ہے۔

یہی گروہ ہے جو انسانی حقوق، امن اور برابری کو عالم گیریت کی سیاسی اقدار قرار دیتا ہے اور ان کے نام پر کم زور ممالک میں مختلف گروہی تعصّبات کی حوصلہ افزائی کر کے انتشار پیدا کرتا ہے، تاکہ اپنی مداخلت کے لیے ماحول سازگار بنایا جا سکے اور اگر کوئی مظلوم اس کے ظالمانہ تسلط اور حاکمانہ جبر کے خلاف جدوجہد کرے تو یہی گروہ انہی نعروں کو خلاف قانون قرار دے کر آواز بلند کرنے والوں کو کچل دیتا ہے۔

سماجی پہلو: اسی طرح یہ گروہ آزادیٔ اظہار رائے کو مقدّس گردان کر مذہب، مذہبی اقدار اور مذہبی شعائر کی توہین کو تحفظ فراہم کرتا ہے، تاکہ مقامی آبادی کا تعلق ان کے مذہب سے توڑ ڈالا جائے، کیوں کہ مذہبی جذبات و احساسات ہی انسانیت کو اس جبر کے تسلط کے خلاف جدوجہد پر آمادہ کرنے کے سب سے بڑے محرّک ہیں۔

لیکن اگر اس گروہ کے جھوٹے نظریات اور فراڈ مفروضوں مثلاً ہولوکاسٹ کا سوال اٹھانے کی کوشش کی جائے تو آزادیٔ اظہار رائے، حق نہیں جرم بنا دیا جاتا ہے۔

معاشی پہلو: جیسے کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، درحقیقت معاشی جبر کا تسلط ہی عالم گیریت کی اصل تعریف ہے۔

چناں چہ مظلوم اقوام کے وسائل پر قبضے اور انھیں اپنے دامن میں سمیٹ کر بدترین غلامی میں دھکیل دینے کے لیے بھاری بھر کم سرمایہ دارانہ تجارتی ادارے بنائے جاتے ہیں۔ ان وسائل کے اصل مالک نسل در نسل ان کارپوریٹ اداروں کی غلامی میں زندگی کا جبر سہتے ہیں۔ جانوروں سے بدتر حیثیت کی اس زندگی کو "زندگی جینا" کہنے کو تو الفاظ کی دہشت گردی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اپنے وسائل کے یہ اصل مالک، جنہیں غلامی کی ان دیکھی زنجیروں میں جکڑ لیا جاتا ہے، انھیں اپنے جگر کو خون کرنے کی مشقت کے بدلے میں صرف اس قدر معاوضہ دیا جاتا ہے جو انھیں بس کل پھر مزدوری کرنے کے قابل بنا سکے۔۔۔

انہی کارپوریٹ اداروں کے اس جبر کو قائم رکھنے کے لیے عالم گیریت کی سماجی اقدار کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، تاکہ ان کے خطرے میں ہونے کا بہانہ بنا کر مظلوم اقوام کی سیاسی آزادی سلب کی جا سکے۔

فرد کی شناخت کا مسئلہ: ایک ایسے جابرانہ غلامی زدہ معاشرے میں انسان، انسان نہیں رہتا۔۔۔ بلکہ وہ تو جانور بھی نہیں رہتا۔۔۔ محض ایک "سامان تجارت" بن کر رہ جاتا ہے، جسے مناسب منافع ملنے پر اس کے تمام تر حقوق سمیت خریدا بھی جا سکتا ہے اور بیچا بھی جا سکتا ہے یا ایک "کارآمد اوزار" بن کر رہ جاتا ہے، جس کی اسی قدر اور اسی انداز میں حفاظت کی جاتی ہے، جس سے اس کی کام کرنے کی صلاحیت باقی رکھی جا سکے۔

اور اس "سامان تجارت" یا "کارآمد اوزار" کے مزید کارآمد نہ رہنے پر اسے اولڈ ہاؤس، نفسیاتی بحالی کے اداروں وغیرہ کے نام سے مصنوعی تشکیل کردہ سماجی کباڑ خانوں میں "ڈمپ" کر دیا جاتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ کموڈٹی یعنی سامان تجارت یا ٹول یعنی اوزار کی کوئی انفرادی شناخت نہیں ہوا کرتی، بس "مالک کی خدمت کرنے" کی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے کیٹگری یعنی درجہ بندی ہی ہوا کرتی ہے۔

فرد کی شناخت کے دو پہلو

فرد کی ایک انسان کے طور پر شناخت کے دو ہی اصل پہلو ہیں۔

مذہب: مذہب فرد کو بطورِ فرد شناخت عطا کرتا ہے۔ مذہب ایک سماج قائم کر کے اس میں فرد کی حیثیت متعین کر کے اسے ایک جداگانہ شناخت دیتا ہے۔ مذہبی شعائر اور عبادات بھی فرد کو سماج میں ایک جداگانہ شناخت کا شعور فراہم کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مذہب فرد کو اس کی شناخت کا شعور دینے کے ساتھ ساتھ وہ جوش عمل بھی فراہم کرتا ہے جو اس کی خشک رگوں میں بہتے لہو کو کسی بھی وقت جبر کے اس نظام کے لیے ابلتے ہوئے لاوے میں بدل سکتا ہے۔

اسلام:

اسلام کی بنیاد توحید خالص پر ہے۔ توحید کے عقیدے کے انسانی سماج میں دو مظاہر ہیں۔

1۔ سب انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ اس لیے سب برابر اور ایک خاندان کے افراد ہیں۔ لہٰذا سب کو ایک دوسرے کی انفرادیت کا احترام کرنا چاہیے۔

2۔ چوں کہ سب برابر اور ایک ہی خاندان کے فرد ہیں، اس لیے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کو اپنا غلام بنا کر اس کی جداگانہ شناخت چھین لے یا اسے مسخ کر دے۔

توحید کی اس تعلیم کے یہ دو سماجی مظاہر نہ صرف فرد کی شناخت کے تحفظ کی ضمانت ہیں بلکہ اس شناخت کو چھین لینے والے جبر کے تسلط کو چیلنج کرنے کی علمی، شعوری، فکری بنیاد بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جبر کے اس نظام کے ظلم و ستم کا سب سے بڑا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں اور اس کے خلاف مزاحمت کرنے والوں میں سرفہرست بھی اسلام اور مسلمان ہی ہیں۔

خاندان: خاندان وہ بنیادی معاشرتی اکائی ہے جو فرد کو اس کی ایک منفرد شناخت فراہم کرتا ہے اور معاشرے کے دیگر افراد سے اس کے ربط کو اس کی اسی منفرد شناخت کی بنیاد پر متعین کرتا ہے۔ یہ شناخت اس قدر بھرپور ہوتی ہے کہ فرد اس کے تحفظ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

اسی لیے جبر کے اس نظام میں گھر برباد اور کلب آباد کرنے کی منظم مہم چلائی جاتی ہے اور خاندان کے ادارے کو شکست و ریخت کے حوالے کر دینے کی مسلسل کوشش کی جاتی ہے۔

خلاصہ: غرض یہ کہ "عالم گیریت" فرد کی شناخت کو چھین لینے پر ہی اُستوار ہو سکتی ہے۔ فرد کی شناخت انسانیت کی سیاسی آزادی ہی نہیں اس کے وقار و احترام کی بھی ضامن ہے اور عالم گیریت کی راہ میں سب سے بڑی روکاوٹ بھی ہے۔

انسان کو اگر بطورِ فرد کے، انسانی معاشرے کی ایک منفرد زندہ اکائی کی حیثیت سے جینا ہے اور اپنی آنے والی نسلوں کو اپنی شناخت سے محروم ہو کر جنس بازار اور اوزار بننے "زندگی کا جبر سہنے" سے بچانا ہے تو اس شیطانی نظام کے تسلط کو روکنا ہوگا، خواہ اس کی جو بھی قیمت چکانی پڑے۔

جب مسئلہ انسانی افراد سے ان کی شناخت چھین کر انھیں بار کوڈز لگے سامان تجارت بنا دینے کا ہو تو اپنی شناخت کے تحفظ کی قیمت کی فکر کون کرتا ہے۔۔۔ اور کون کر سکتا ہے!!! فرد کی شناخت وہ انسانی شرف ہے جس کی خاطر درندوں کے تسلط کی مزاحمت مقدّس ترین انسانی فرض ہے۔

بقیہ ابو اسحاق سبیعی

جنازہ

یہ عبادت کا بہت اونچا درجہ ہے اور یقیناً یہ بہت بڑی بات ہے، اگرچہ یہ اُس زمانے کے لحاظ سے ایک عام معمول کی بات تھی، لیکن ہمارے زمانے میں ان لوگوں کا پورا اتباع کرنا آسان نہیں ہے، لہٰذا ایک دم ان کی طرح عبادت شروع کرنا آسان بھی نہیں ہے اور ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے، ایسا نہ ہو کہ جذبات میں ایک ساتھ بہت زیادہ نفلی عبادات کر لیں، پھر فرائض سے بھی محرومی ہو جائے۔

لیکن۔۔۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ علمایہ حالات بالکل ناقابلِ عمل ہیں اور ہمیں ان سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمارے لیے اس میں سیکھنے کا بہت سامان ہے، یعنی ہم کم از کم رات کو سونے سے پہلے تہجد کی نیت سے دو رکعت نفل کی عادت تو ضرور ڈال لیں اور رات کے آخری پہر میں فجر کی اذان سے کچھ پہلے اٹھ کر چند رکعات پڑھنے کی کوشش کر لیں، اگر ہم یہاں تک بھی پہنچ گئے تو یہ ہمارے لیے ایک بڑی کامیابی ہے۔

بڑھاپے میں عبادت

ابو اسحاقؒ آخری عمر میں انتقال سے دو سال پہلے بہت کم زور ہو گئے تھے، لیکن اس وقت بھی ان کی عبادت کی مقدار اتنی تھی جو جوانوں کے لیے بھی مشکل ہے۔

کم زوری کا حال تو یہ تھا کہ بغیر سہارا لیے کھڑے ہونا مشکل ہوتا تھا، کوئی سہارا دے کر کھڑا کر دیتا تو کھڑے ہو جاتے اور پھر اسی طرح نماز شروع فرما دیتے اور اس حالت میں بھی ایک ہی رکعت میں ہزار آیتیں تلاوت فرماتے۔

ایک دفعہ انھوں نے نوجوانوں کے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: اپنی جوانی کی طاقت اور قوت کو غنیمت جانو، میری کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گزرتی، جس میں، میں ایک ہزار آیات تلاوت نہ کروں اور ہر مہینے میں ایام بیض (یعنی قمری مہینے کی 13، 14 اور 15 تاریخ) کے تین روزے، اور پیر، جمعرات کے روزے پابندی سے رکھتا ہوں۔

ایک دفعہ فرمانے لگے: "اب تو میں کم زور ہو گیا، پہلے جیسی نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں، اب تو کھڑے ہو کر (صرف) سورۂ بقرہ اور سورہ آلِ عمران کی تلاوت کر پاتا ہوں۔"

سورۂ بقرہ تقریبًا ڈھائی پارے پر مشتمل ہے اور سورۂ آلِ عمران سوا پارے کی ہے، یعنی پونے چار پارے، بڑھاپے کی حالت میں تلاوت فرماتے تھے۔

ان کے بیٹے یونس فرمانے لگے: میرے والد صاحب ہر رات میں ایک ہزار آیات تلاوت فرماتے تھے۔

عون بن عبد اللہ نے ابو اسحاق سے فرمایا: اب آپ کے اعمال میں سے کیا معمول باقی رہ گیا ہے؟

فرمانے لگے: "اب (بس) ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھ پاتا ہوں!"

حقیقت تو یہ ہے کہ دل میں اترنے کی بات ہے، اگر نماز کی حقیقت معلوم ہو جائے اور دل کو اس کا چسکا لگ جائے تو یہ سب کچھ اور اس سے بھی بہت زیادہ کیا جا سکتا ہے۔

مشاہدہ کی بات ہے کہ کتنے لوگ دنیا کی خاطر کئی راتیں جاگ کر اور محنت کر کے گزار دیتے ہیں، اور کتنے ہی نوجوان پوری پوری رات فضولیات اور لایعنی میں گزار دیتے ہیں اور تھکاوٹ احساس بھی نہیں ہوتا، بلکہ لذت محسوس کرتے ہیں، حالاں کہ خواہشات اور شہوتوں کی لذات، فانی اور گندی ہیں، حقیقی لذت تو اللہ کے آگے گڑگڑانے کی اور بارگاہ خداوندی میں سرگوشیوں کی لذت ہی ہے۔

جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، جیسے کہ پورا کوفہ اُمڈ آیا ہو۔ ان کی وفات کے دن ہی کوفہ کے نئے گورنر پہنچے تھے، ابو اسحاق کا جنازہ جاتا ہوا دیکھ کر کہنے لگے:

كَأَنَّ هٰذَا فِيهِمْ رَبَّانِيٌّ

یوں لگتا ہے، جیسے یہ ان میں بہت بڑا ربانی (نیک، اللہ والا شخص) تھا

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

یہ بات تو ابو سفیان بن حرب کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی تھی کہ قریش کا کوئی فرد ان کے کسی فیصلے سے بغاوت یا کسی اہم معاملے میں مخالفت کرے گا، کیوں کہ جس پائے کے وہ سردار تھے، ان کا ہر فیصلہ واجب التعمیل اور ہر حکم واجب الاطاعت سمجھا جاتا تھا، لیکن اتفاق دیکھیے ان کی اپنی ہی بیٹی رملہ نے جو اپنی کنیت اُم حبیبہ سے معروف تھیں، اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ہم راہ خدائے واحد پر ایمان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا اعلان کر دیا تھا۔

ابو سفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو دوبارہ آباؤ اجداد کے دین میں واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی، لیکن انھیں کام یابی نہ ہو سکی۔ ابو سفیان کا غیض و غضب دیدنی تھا، انھیں رملہ کے مسلمان ہو جانے کا بڑا شدید دکھ تھا اور شاید اس سے بڑھ کر دکھ اس بات کا بھی تھا کہ کس منہ سے قریش کا سامنا کریں گے۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ ابو سفیان رملہ اور اس کے شوہر پر ناراض ہیں تو وہ ان دونوں کے خلاف جری ہو گئے، وہ ان کو سخت اذیت ناک سزائیں دیتے اور ان کے گرد زندگی کا دائرہ روز بروز تنگ کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے لیے مکے میں زندگی گزارنا دوبھر ہو گیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو رملہ بنت ابو سفیانؓ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش اور ان کی چھوٹی بچی حبیبہ مہاجرین کے اس قافلے میں پیش پیش تھے، لیکن مسلمانوں کی اس مختصر سی جماعت کا ان کے ہاتھ سے بچ نکلنا اور حبشہ میں آرام و سکون سے رہنا ابو سفیان اور ان کے ہم خیال دوسرے زعماء قریش کو سخت ناگوار گزرا، اس لیے انھوں نے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے ان کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے متعلق نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں۔

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور ان سے ان کے دین کی حقیقت اور اس بات کی اصلیت دریافت کی، وہ جو عیسیٰ مسیح اور ان کی والدہ کے متعلق کہتے ہیں اور مسلمانوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ قرآن کے کچھ اجزا سنائیں جو ان کے نبی کے قلب پر نازل ہوتا ہے، جب مسلمانوں نے شاہ کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کریم کی چند آیات سنائیں تو روتے روتے شاہ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر شاہ نے مسلمانوں سے کہا: "یہ کلام جو تمہارے نبی محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اور وہ جس کو عیسیٰ ابن مریم لائے تھے، دونوں ایک ہی نور کی شعاعیں ہیں۔"

اور شاہ نے خدائے واحد پر ایمان اور نبوت محمدیہ ﷺ کی تصدیق کا اعلان کیا اور مسلمانوں کے لیے اپنی حمایت کا اعلان بھی کیا جو ہجرت کر کے ملک میں آئے تھے۔ شاہ کے ان سرداروں کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نصرانیت پر قائم رہے۔

اس کے بعد حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے سمجھا کہ طویل پریشانیوں کے بعد اب حالات ان کے لیے سازگار ہو گئے ہیں اور آلام و مصائب کے اس دشوار گزار سفر نے ان کو امن و امان کے گہوارے میں پہنچا دیا ہے، مگر وہ حالات ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے، جنہیں نوشتۂ تقدیر نے ان کے لیے چھپا رکھا تھا۔

ایک رات حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے خواب دیکھا کہ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش ایک ایسے بحرِ مواج کی سرکش موجوں میں پھنسا ہوا ان سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، جس پر تہ بہ تہ تاریکیاں مسلط ہیں اور وہ انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں گرفتار ہے۔

خوف اور اضطراب کی وجہ سے ان کی نیند کھل گئی۔ اس خواب کا ذکر وہ اپنے شوہر یا کسی دوسرے شخص سے کرنا نہیں چاہتی تھیں، لیکن وہ خواب بہت جلد ایک حقیقت کی شکل میں ان کے سامنے آگیا۔ اس رات کی صبح ابھی شام میں تبدیل نہیں ہونے پائی تھی کہ عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا، اس نے نصرانیت اختیار کر لی۔ اس کا زیادہ تر وقت شراب خانوں میں گزرنے لگا، اس کثرت کے ساتھ شراب نوشی کے باوجود وہ اس سے آسودہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو دو میں سے ایک چیز کے انتخاب کی آزادی دے دی جو دونوں ہی انتہائی ناپسندیدہ تھیں، یعنی یا تو وہ طلاق لے لیں یا نصرانیت اختیار کر لیں۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے خود کو اچانک تین مشکلات میں محصور پایا۔ ایک یہ کہ شوہر کی بات مان لیں، جو مسلسل انھیں نصرانیت کی دعوت دے رہا تھا اور اس طرح (العیاذ باللہ) اپنے دین سے پھر جائیں اور دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں اور یہ ایسا کام تھا جس کو وہ کسی قیمت پر نہیں کر سکتی تھیں، چاہے اس کے نتیجے میں ان کے جسم کا گوشت لوہے کی کنگھیوں کے ذریعے ان کی ہڈیوں سے کھرچ کر الگ کر دیا جاتا یا وہ مکہ

میں اپنے والد کے گھر واپس چلی جائیں اور وہاں ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ یہ بھی انھیں منظور نہیں تھا، کیوں کہ ان کے والد کفّار کے چوٹی کے سرداروں میں تھے۔ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیسری صورت یہ تھی کہ وہ تنہا اور بے یار و مددگار سرزمینِ حبشہ میں ٹھہری رہیں، انھوں نے اللہ عزّوجل کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہوئے تیسری اور آخری شکل کو ترجیح دی اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے آسانی و کشادگی کی اُمید پر حبشہ میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے اللہ تعالیٰ سے جس کشادگی کی توقع کی تھی، اس کے لیے انھیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا، کیوں کہ ان کے شوہر کی عدّتِ وفات سے فارغ ہوتے ہی جو ارتداد کے بعد زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکا تھا، بالکل غیر متوقّع طور پر اُن کے پاس ان کی خوش نصیبی کا پیغام آپہنچا۔

ایک روز چاشت کے وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی، جب انھوں نے دروازہ کھولا تو اچانک اپنے سامنے نجاشی کی خادمہ ٔ خاص "ابرہہ" کو دیکھ کر مبہوت رہ گئیں۔ ابرہہ نے بڑے ادب اور خندہ جبینی کے ساتھ سلام کر کے اندر آنے کی اجازت مانگی اور کہا:

"بادشاہ سلامت! آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے اور ایک خط کے ذریعے ان کو اپنا وکیل بنایا ہے تو آپ بھی اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر دیجیے۔" یہ سن کر حضرت اُمِّ حبیبہؓ خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور بے ساختہ بول پڑیں۔

"اللہ تم کو خوش رکھے، اللہ تم کو خوش خبری سنائے۔"

پھر اپنے جسم سے ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارنے لگیں، انھوں نے اپنے کنگن اتار کر ابرہہ کو دے دیے، پھر پازیب، پھر دونوں کانوں کی بالیاں اور انگوٹھیاں، اس کو دے دیں اور اگر اس وقت ان کے پاس دنیا کے خزانے ہوتے تو وہ سب ابرہہ کو بخش دیتیں، پھر انھوں نے کہا کہ میں خالد بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل بناتی ہوں کہ وہ میرے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔

نجاشی کا رہائشی محل درختوں سے گھرے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا اور نشیب میں حبشہ کا سب سے خوب صورت باغ اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ اُسی محل کے ایک وسیع و عریض ہال میں جو نہایت خوب صورت نقش و نگار سے آراستہ اور پیتل کے سنہری چمکتے چراغوں کی روشنی سے منوّر ہو رہا تھا، جس میں قیمتی اور نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ حبشہ میں مقیم صحابہ کرام، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ اور حضرت عبداللہ ابن حذافہ سہمیؓ وغیرہم حضرت اُمِّ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے نکاح میں شرکت کے لیے جمع تھے، جب سب لوگ آچکے تو نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مجلس کے صدرِ نشین تھے، خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"میں شکر ادا کرتا ہوں، اس خدائے بزرگ و برتر کا جو ہر قسم کے عیوب سے پاک، اپنے بندوں کو امن و اطمینان بخشنے والا اور لامحدود طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی دوسرا بندگی اور عبادت کا حق دار نہیں ہے اور اس بات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ وہ انھیں کی ذاتِ پاک ہے، جس کی بشارت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔"

اما بعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اُمِّ حبیبہ بنت ابی سفیان کو ان کے عقد میں دے دوں، سو میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور ان کی طرف سے اُمِّ حبیبہ کو چار سو طلائی دینار بطور مہر ادا کرتا ہوں۔

اور انھوں نے دینار حضرت خالد بن سعیدؓ کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن سعیدؓ بن عاص کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنی جوابی خطبے میں فرمایا:

"ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اسی سے اعانت طلب کرتا ہوں، اسی سے استغفار کرتا ہوں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت اور حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دیں خواہ یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔"

اما بعد! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجا لاتا ہوں اور اپنی موکلہ اُمِّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان کو ان کے نکاح میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ان کی بیوی میں برکت عطا فرمائیں اور اُمِّ حبیبہ کو وہ خیر و برکت مبارک ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دی تھی۔

پھر جب حضرت خالد بن سعیدؓ دیناروں کو اٹھا کر کھڑے ہو گئے، تاکہ انھیں حضرت اُمِّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان کے یہاں پہنچا دیں اور ان کے ساتھ ہی دوسرے صحابہ کرامؓ بھی واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو نجاشیؒ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آپ سب حضرات ابھی تشریف رکھیں، کیوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جب وہ نکاح کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں۔" پھر انھوں نے کھانا منگوایا اور سب لوگ اس سے فارغ ہو کر اپنی قیام گاہوں کی طرف لوٹ گئے۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ کہتی ہیں: "جب مہر کی رقم میرے پاس پہنچی تو میں نے اس میں سے پچاس مثقال سونا ابرہہ کے یہاں بھیج دیا اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی کہلا دیا کہ خوش خبری دیتے وقت میں نے تم کو جو کچھ دیا تھا، وہ اس حال میں دیا تھا کہ میرے پاس اس وقت تم کو دینے کے لیے اور کچھ نہیں تھا، تھوڑی دیر بعد ابرہہ میرے پاس آئی اور اس نے وہ سونا جو میں نے اس کے پاس بھیجا تھا واپس کر دیا، پھر اس نے ایک ڈبہ نکالا جس میں میرے دیے ہوئے زیورات تھے، اس نے وہ سارے زیورات بھی یہ کہتے ہوئے لوٹا دیے کہ بادشاہ نے مجھے آپ سے کچھ لینے کو سختی سے منع کیا ہے اور انھوں نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جتنی خوش بو ہو وہ سب آپ کے پاس بھیج دیں اور اگلے روز ابرہہ میرے پاس زعفران، عود و عنبر لے کر آئی، پھر اس نے کہا کہ مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے تو آپ نبی کریم ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دیجیے گا اور ان کو بتا دیجیے گا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکی ہوں۔ اس کو بھولیے گا مت۔۔۔ پھر اس نے میری روانگی کا انتظام کیا اور میں رسول اللہ (ﷺ) کی طرف روانہ کر دی گئی۔"

جب میری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو میں نے نکاح کی پوری روداد آپ کو سنائی اور جو کچھ میں نے ابرہہ کے ساتھ کیا تھا اس سے بھی آپ کو آگاہ کیا اور اس کا سلام بھی آپ کو پہنچا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتیں سن کر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اس کے سلام کے جواب میں فرمایا:

وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

perfect®
BODY SPRAY
ALL DAY LASTING
Saba
HEAVEN
AVENUE
MIDNIGHT
PERFECT ONE
DESIRE
Cool Wave
BOSS
MESMERISING • RAVISHING • ATTRACTIVE
perfectairfreshener
PFreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

کافروں اور مشرکوں کے ناپاک ہونے کا مطلب

سوال: میں نے ایک عالمِ دین سے سنا ہے کہ "غیر مسلموں مثلاً عیسائیوں کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا جائز ہے، مگر اس بات کا خیال رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفر سے نفرت ہی نہ رہے۔"

قرآن مجید میں سورۂ توبہ، آیت: 28 کا ترجمہ ہے: "اے ایمان والو! یہ مشرکین نجس (ناپاک) ہیں، ان کو مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ آنے دو!" اس آیت سے بندے نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مشرکین نجس ہیں جیسا کہ کتا اور سوَر نجس ہے، نہ کتے اور سوَر کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا جائز ہے اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا جائز ہونا چاہیے، کیوں کہ اکٹھے کھانے پینے سے مسلمان وہ نجس کھانا جو مشرک و کافر کا ہاتھ لگنے سے نجس ہوتا ہے، کھاتا ہے۔

آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ آیا میرا خیال درست ہے یا غلط؟

جواب: واضح رہے کہ کافروں اور مشرکوں کے نجس ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، یہ تو قرآن کریم کا فیصلہ ہے، لیکن ان کی نجاست ظاہری نہیں، معنوی (اندرونی) ہے، اس لیے کافر و مشرک کے ہاتھ اگر پاک ہوں تو ان کے ساتھ کھانا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دستر خوان پر کافروں نے بھی کھانا کھایا ہے۔ ہاں! ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات جائز نہیں۔ کتے اور خنزیر کا جھوٹا کھانا ناپاک ہے، مگر کافر کا جھوٹا ناپاک نہیں۔

شرک و بدعت کسے کہتے ہیں؟

سوال: شرک و بدعت کی تعریف کیا ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں؟

جواب: واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور تصرّف و اختیار میں کسی اور کو شریک سمجھنا شرک کہلاتا ہے اور جو کام نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ و تابعینؒ نے نہیں کیا، بلکہ دین کے نام پر بعد میں ایجاد ہوا، اسے عبادت سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتا ہے۔

اس اصول کی روشنی میں مثالیں آپ خود بھی متعین فرما سکتے ہیں۔

کافر، زندیق، مرتد کا فرق

سوال: (۱) کافر اور مرتد میں کیا فرق ہے؟

(۲) جو لوگ کسی جھوٹے مدّعیٔ نبوت کو مانتے ہوں، وہ کافر کہلائیں گے یا مرتد؟

(۳) اسلام میں مرتد کی کیا سزا ہے اور کافر کی کیا سزا ہے؟

جواب: (۱) واضح رہے کہ جو لوگ اسلام کو مانتے ہی نہیں، وہ تو کافرِ اصلی کہلاتے ہیں، جو لوگ دینِ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس سے برگشتہ ہو جائیں، وہ "مرتد" کہلاتے ہیں اور جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں، لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن و حدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انھیں اپنے عقائدِ کفریہ پر چسپاں کرنے کی کوشش کریں، انھیں "زندیق" کہا جاتا ہے اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ ان کا حکم بھی "مرتدین" کا ہے، بلکہ ان سے بھی سخت!

(۲): ختمِ نبوت اسلام کا قطعی اور اٹل عقیدہ ہے، اس لیے جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود کسی جھوٹے مدّعیٔ نبوت کو مانتے ہیں اور قرآن و سنت کے نصوص کو اس جھوٹے مدّعی پر چسپاں کرتے ہیں، وہ زندیق ہیں۔

(۳) مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کرکے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے، لیکن اگر وہ توبہ قبول نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے۔

جمہور آئمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبسِ دوام (عمر قید) کی سزا دی جائے۔

زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بہر حال واجب القتل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں: ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا ہر صورت قتل ہے، خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔

حنفیہؒ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق، مرتد سے بدتر ہے، کیوں کہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے، لیکن زندیق کی توبہ قبول ہونے میں اختلاف ہے۔

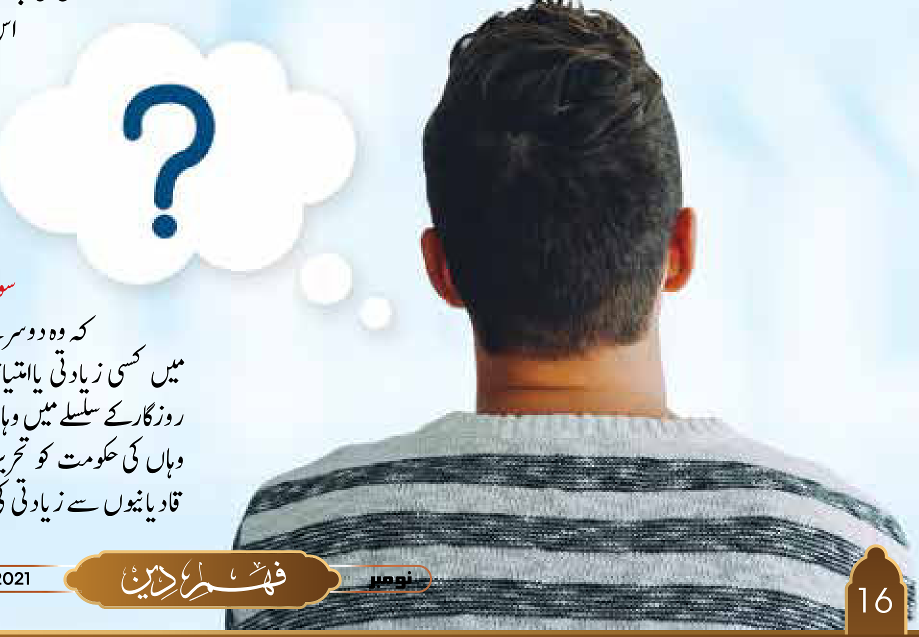

شہریت کے حصول کے لیے اپنے کو "قادیانی" لکھوانے کا حکم

سوال: یورپ کے بعض ممالک کی حکومتوں کی یہ پالیسی ہے کہ وہ دوسرے ملکوں کے ان لوگوں کو سیاسی پناہ دیتے ہیں جو اپنے ملک میں کسی زیادتی یا امتیازی سلوک کے شکار ہوں۔ ہمارے کچھ پاکستانی بھی حصولِ روزگار کے سلسلے میں وہاں جاتے ہیں اور مستقل قیام یا شہریت حاصل کرنے کے لیے وہاں کی حکومت کو تحریری درخواست دیتے ہیں کہ وہ قادیانی ہیں اور پاکستان میں قادیانیوں سے زیادتی کی جاتی ہے، اس لیے ان کو وہاں پر سیاسی پناہ دی جائے۔ اس

طرح وہاں پر قیام کرنے کی اجازت حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد ان کو وہاں کی شہریت بھی مل جاتی ہے۔ان لوگوں کو اگر سمجھایا جائے کہ اس طرح قادیانی بن کر روزگار حاصل کرنا شرعی طور پر گناہ ہے اور اس طرح کہیں وہ واقعی اسلام سے خارج نہ ہو جاتے ہوں، مگر ان کا جواب ہوتا ہے کہ وہ صرف روزگار حاصل کرنے کے لیے قادیانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ورنہ وہ اب بھی دل وجان سے اسلام پر قائم ہیں۔

وہاں کی شہریت حاصل کر کے وہ پاکستان آکر یہاں مسلمان گھرانوں میں شادی بھی کر لیتے ہیں اور لڑکی والوں سے یہ بات چھپائی جاتی ہے کہ لڑکے نے قادیانی بن کر غیر ملکی شہریت حاصل کی ہے اور لڑکی والے بھی اس لالچ میں کہ ان کی لڑکی کو بھی یورپ کی شہریت مل جائے گی، کوئی تحقیق نہیں کرتے، حالانکہ لڑکے کے قریبی اعزہ واقارب کو یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

(۱) اب جواب طلب امر یہ ہے کہ جو شخص اس طرح جھوٹ موٹ اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کرے، تاکہ اس کو غیر ملکی شہریت مل جائے، اس کے اسلام کا کیا حکم ہے؟

(۲) کسی مسلمان لڑکی سے اس کے ہونے والے نکاح کا کیا حکم ہے؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

(۳) اگر لڑکی کے والدین اور لڑکی کو اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو کیا وہ بھی گناہ میں شامل ہوں گے؟

(۴) لڑکے کے وہ رشتہ دار جن کو سب معلوم ہونے کے باوجود لڑکی والوں سے بات چھپاتے ہیں، کیا وہ بھی گناہ گار ہوں گے؟

(۵) اگر یہ لڑکا اپنے اس عمل کی وجہ سے دائرہ اسلام سے نکل گیا ہے اور وہ اس پر نادم ہو جائے تو کیا وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے؟ اگر ہاں تو اس کا طریقہ کیا ہوگا اور کیا کوئی کفارہ بھی دینا ہوگا؟

(۶) جو شادی شدہ آدمی وہاں جا کر یہ حرکت کرتے ہیں، کیا ان کا نکاح قائم رہتا ہے؟ اگر نہیں تو ان کو کیا کرنا چاہیے، تاکہ ان کا نکاح بھی قائم ہو جائے اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو سکیں؟

جواب: واضح رہے کہ جو شخص جھوٹ موٹ کہہ دے کہ: ”میں ہندو ہوں یا عیسائی ہوں یا قادیانی ہوں“ وہ اس کہنے کے ساتھ ہی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس کا حکم مرتد کا حکم ہے۔

ایسے شخص سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہوتا، اگر دھوکے سے نکاح کر دیا گیا تو پتا چلنے کے بعد اس نکاح کو کالعدم سمجھا جائے اور لڑکی کا عقد دوسری جگہ کر دیا جائے، چوں کہ نکاح ہی نہیں ہوا، اس لیے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔

جن عزیز و اقارب نے صورتِ حال کو چھپایا وہ خدا کے مجرم ہیں اور اس بدکاری کا وبال ان کی گردن پر ہوگا۔

جس شخص نے نادانی کی وجہ سے ایسا کیا ہے اور وہ اب دوبارہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اعلان کر دیں کہ وہ قادیانی نہیں اور وہاں کی حکومت کو بھی اس کی اطلاع کر دیں اور اگر شادی شدہ ہو تو تجدیدِ اسلام کے بعد نکاح کی بھی تجدید کریں۔

زندگی سے بے زار ہو کر موت کی دعائیں کرنا

سوال: ایک آدمی اپنی زندگی سے بے زار ہے، اس لیے وہ موت کی دعائیں مانگتا ہے، کیا اس حالت میں اس کا یہ فعل جائز ہے؟

جواب: واضح رہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کی تمنّا نہیں کرنی چاہیے۔

دراصل موت مانگنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص دنیوی مصائب وآلام کی وجہ سے موت مانگتا ہے، یہ جائز نہیں، بلکہ عقلاً بھی یہ احمقانہ حرکت ہے، اس لیے کہ مرنے کے بعد کی تکلیف کا تحمّل اس سے بھی زیادہ مشکل ہوگا۔ مرزا غالب کے بقول:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

پھر یہاں تو کم سے کم کوئی غم خواری کرنے والا ہوگا، کوئی معالج و تیمار دار ہوگا، کوئی حال احوال پوچھنے والا ہوگا، قبر میں تو قیدِ تنہائی ہے۔ (یا اللہ! تیری پناہ!) اور پھر دنیا کے مصائب میں ایک چیز موجب تسکین رہتی ہے کہ زندگی فانی ہے اور زندگی کے مصائب بھی ختم ہونے والے ہیں، قبر میں تو یہ آس بھی نہیں رہے گی، اس لیے مصیبت پر گھبرا کر موت کی تمنّا نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اللہ تعالی سے عافیت مانگنی چاہیے اور صبر وشکر کے ساتھ راضی برضا رہنا چاہیے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی فتنوں سے بچنے کے لیے موت کی تمنّا کرے، اس کی اجازت ہے، چناں چہ حدیث میں یہ دعا منقول ہے: ”یا اللہ! جب آپ کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ فرمائیں تو مجھے فتنے میں ڈالے بغیر ہی اٹھا لیجیے“

تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کا مشتاق ہو، کیوں کہ موت وہ پُل ہے جو ”دوست کو دوست تک پہنچاتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کو چاہنا حضراتِ اولیاء رحمہم اللہ کی شان ہے، لیکن تقاضائے ادب یہ ہے کہ اس حالت میں بھی زبان سے موت نہ مانگنی چاہیے، الّا یہ کہ یہ جذبہ اتنا غالب ہو جائے کہ آدمی کو بے بس کر دے۔

حدیث کے منکر کی اسلام میں حیثیت

سوال: جو حدیث کا انکار کرے، کیا وہ اسلام سے نکل جاتا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ ”حدیث“ نام ہے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا، جو شخص نبی کریم ﷺ کو نبی مانتا ہے، وہ آپ ﷺ کے احکام وفرامین اور آپ ﷺ کے ہر ارشاد کو سر آنکھوں پر رکھے گا اور اسے واجب التسلیم سمجھے گا اور جو شخص نبی کریم ﷺ کی بات کو لائقِ تسلیم نہیں سمجھتا، خود دیکھ لیجیے گا اس کا ایمان نبی کریم ﷺ پر کیسا ہے اور مسلمانی میں اس کا کتنا حصہ ہے؟

بلا تحقیق حدیث کا انکار کرنا

سوال: میں نے ایک حدیث مبارک پڑھی کہ جو آدمی زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے پاس سے نکل کر اس کے سر پر لٹکتا رہتا ہے، پھر جب وہ فراغت کے بعد پشیمان ہوتا ہے تو ایمان واپس آجاتا ہے۔ یہ حدیث میں نے اپنے ایک دوست کو اس وقت سنائی جب زنا کا موضوع زیرِ گفتگو تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ یہ حدیث ہے تو اس نے جواب دیا کہ ”چھوڑو! یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔“

پہلا سوال یہ ہے کہ یہ حدیث مستند اور معتبر ہے یا ضعیف؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ میرے دوست کا یہ کہنا کہ ”یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں“ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: واضح رہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف ص: 17 پر صحیح بخاری کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ آپ کے دوست کا اس کو مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں کہنا جہالت کی بات ہے۔ ان کو اس سے توبہ کرنی چاہیے اور بغیر تحقیق کے ایسی باتیں کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے، ورنہ بعض اوقات ایمان ضایع ہو جاتا ہے۔

امراض و احتیاط

حکیم شمیم احمد

سرطان

تعارف

سرطان موجودہ دور کا سنگین مرض ہے، جوں ہی علامات ظاہر ہوں، اس کا بر وقت سدِّ باب کرنا چاہیے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ سرطان اچانک نمودار ہوتا ہے۔ اس کی واضح علامات مرض کا آغاز ہونے سے پہلے ہی ظاہر ہوجاتی ہیں، مثلاً جسم میں غیر ضروری گلٹیوں کا نمودار ہونا، خون کا مسلسل اخراج، منہ میں چھالے طویل عرصے رہنا، کبھی دست اور کبھی قبض ہونا، سیاہی مائل اجابت، وزن گھٹنا، بھوک نہ لگنا، لقمہ نگلنے میں مشکل ہونا، نیند پر سکون نہ آنا، معدے، آنتوں اور غذا کی نالی میں شدید جلن، متلی۔ ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی مستند معالج سے مشورہ کرلینا چاہیے، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ان علامات کا لازمی مطلب سرطان ہونا نہیں۔ البتہ معالج سے مشورہ کرلینا چاہیے۔

سرطان کا سبب

بہت سے مریض خود ہی میڈیکل اسٹور سے دوائیں کھانا شروع کردیتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ دواؤں کا بھی ردِّ عمل ہوتا ہے۔ علامات کی بنیاد پر خود کو مریض سمجھ لینا اور معالج کی تشخیص کے بغیر دوائیں کھانا بہت مضر ہوسکتا ہے، بلکہ جان لیوا اور معذوری کا سبب بھی۔

* سگریٹ، نشہ آور چیزوں کا استعمال، پان، تمباکو، مین پوری، رات کو منہ میں پان رکھ کر سوجانا یہ سب سرطان کا سبب بن رہا ہے۔ مے نوشی امّ الخبائث ہے، اس سے جگر کا کینسر ہوجاتا ہے، مسالے دار اور مرغن غذاؤں کا مسلسل استعمال معدے اور آنتوں میں تیزابیت اور خراش پیدا کرکے ابتدا میں السر اور پھر کینسر کا سبب بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر چوغہ (Chaugha)

ڈاکٹر چوغہ (Chaugha) ممبئی ہسپتال کے انکلوجسٹ تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ اگر جسم میں بلغم شور کا ترشح بڑھ جائے تو وہاں کینسر کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ وہ گلے کے کینسر میں اچار، چیکو اور اناس کھانے سے سختی سے منع کرتے ہیں۔ منہ کے کینسر میں کچا ناریل اور ناریل کے پانی سے کلیاں کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

احتیاط

لوگ مرغن کھانوں کو ہضم کرنے کے لیے کولڈ ڈرنک کا سہارا لیتے ہیں، یوں معدے کو غذا ہضم کرنے کے لیے محنت نہیں کرنی پڑتی۔ اس طرح معدہ کمزور ہوجاتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے ہاضمے کی دوائیں اور کولڈ ڈرنک بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔

مختلف تحقیقاتِ سرطان

*ایک امریکی ہسپتال کے اسسٹنٹ سرجن کے پیٹ میں رسولی ہوگئی تھی، اس کا پھلوں اور سبزیوں پر وسیع مطالعہ تھا۔ سرجن کے بے حد اصرار اور مشورے کے باوجود اس نے اس رسولی کا آپریشن نہیں کروایا اور دو ماہ تک وہ سیاہ انگور کا رس تین وقت استعمال کرتی رہی۔ تین ماہ بعد اس کی رسولی مکمل ختم ہوچکی تھی۔

*کینسر پر تحقیق کے لیے آیا امریکی وفد گلگت پہنچا تو حیران ہوگیا کہ وہاں کے باسی کینسر سے محفوظ تھے۔ تحقیق کرنے پر پتا چلا، وہاں خوبانی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور خوبانی کی گری میں پوٹاشیم فلیونائیڈ کثرت سے پایا جاتا ہے، جو دافع سرطان ہے۔

*جو شخص گہرے صدمات سے دوچار ہو اور ذہن پر اس کو سوار کرلے۔ اس میں جگر کے کینسر کے خدشات بڑھ جاتے ہیں۔ مطب میں جگر کے کینسر کا ایک مریض لایا گیا۔ پتا چلا مریض کے ایک عزیز کا چند ماہ پہلے انتقال ہوگیا تھا، جس سے مریض کو بہت انسیت تھی، اس کی موت کا ذہن پر گہرا اثر لیا، جو جگر کے کینسر کا سبب بنا۔

احتیاط: رات کی ڈیوٹی کرنے والے گھر پر تھکے ماندے آتے ہیں اور کھانا کھاتے ہی سوجاتے ہیں. جس کی وجہ سے معدے میں غذا ہضم نہیں ہوتی اور اگر زیادہ عرصہ تک یہ معمول رہے تو غذا معدہ میں سڑ جاتی ہے اور تعفن پیدا ہوجاتا ہے. یوں معدہ بری طرح متاثر ہوجاتا ہے اور موذی اور سنگین بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔

کنسر اور غذا

چین کے لوگوں میں عارضہ رگِ دل، ذیابیطس، سرطان، افسردگی اور چینی مردوں میں سرطانِ قدامیہ، پروسٹیٹ اور چینی خواتین میں سرطانِ پستان نہایت کم ہے، کیوں کہ ان کی خوراک میں چکنائی کم اور سویابین زیادہ ہے۔

سرطانِ پستان کا سبب

جاپانی خواتین میں سرطانِ پستان کم ہے، جس کی وجہ غذا میں چکنائی کی مقدار میں کمی ہے۔ مضر غذا سے مضر ہارمونز کی افزائش بھی ہوتی ہے، جو سرطان پستان کا سبب ہے۔ رحم، بیضہ دانیوں اور پروسٹیٹ کے سرطانوں کا تعلق بھی حیوانی چربی، سرخ گوشت، بالائی مکھن، دودھ، دہی اور پنیر سے ہے۔

بڑی آنت کا سرطان

خوش حال مغرب میں قولون (بڑی آنت) کا سرطان زیادہ ہے، جس کی وجہ چربی دار غذا ہے۔ براز کے اجزا میں تبدیلی ہے۔ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ جاپان میں روایتی طور پر چکنائی کھانے کا رواج کم اور سرطان قولون کم ہے، جو افراد گوشت اور چکنائی خصوصاً حیوانی چکنائی ہاتھ روک کر کھاتے ہیں، وہ سرطانِ قولون سے نسبتاً محفوظ رہتے ہیں، غالباً آنتوں کے جراثیم چربی پر اثر انداز ہو کر سرطانی مواد پیدا کرتے ہیں۔ زیادہ چکنائی خور میں صفرائی نمک کے باقیات زیادہ ہوتے ہیں، جن سے سمّی مواد بآسانی تشکیل پاتا ہے۔ جاپانی جب ترکِ وطن کرکے امریکا جاتے ہیں تو عارضہ سرطان میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں، کیوں کہ وہاں زیادہ چربی دار غذا کھائی جاتی ہے۔

سرطان اور ہارمون

رحم اور پستان کے سرطان میں ایسٹروجن ہارمون کے استعمال سے کمک و تحریک ملتی ہے، سنّ یاس میں جو ہارمون استعمال کیا جاتا ہے، وہ سرطان ساز ہے، اس لحاظ سے بہ نسبت ایسٹروجن کے پروجیسٹرون زیادہ خراب ہے۔ اس کی وجہ سے سرطانِ پستان اور بیضہ دانی کے سرطان ہو سکتے ہیں۔

کم عمری میں ماہواری

غلط غذا بچپن اور نوجوانی کی عمر سے اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ کم عمری میں ماہواری کی ابتدا کا تعلق بھی مرغن غذا اور جسمانی افزائش سے ہے یہی وجہ ہے کہ کم عمری کی ماہواری عارضہ سرطان کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے، جنگِ عظیم دوم کے بعد سے جاپانی خواتین طویل قامت اور فربہ اندام ہوتی گئیں اور اسی لحاظ سے سرطانِ پستان میں مبتلا بھی ہو گئیں، غذا متنوع ہو یعنی، سبزیاں، پھل، دالیں، پھلیاں، حیاتین ج (لیموئی پھل نارنگی وغیرہ) سبزی جاتی حیاتین الف یعنی بیٹا کیروٹن، (گاجریں، آم، پپیتا)، غذا زیادہ ریشے دار ہو یعنی بغیر چھنا آٹا اور سبزی جات و پھل دالیں، بند گوبھی، پھول گوبھی، ان کا فائدہ، سرطان قولون سے تحفظ میں ریشے کی وجہ سے زیادہ ہے۔ دودھ دہی، بناچکنائی، مچھلی انڈے کھانا درست ہے، گوشت فارم کی مرغی، بالائی، مکھن، چکنائی دار دودھ سے پرہیز ہو، تاکہ پر اسٹیٹ گلینڈ، پھیپھڑے، مثانہ، غذا کی نالی اور معدہ کے سرطان سے تحفظ ہو۔

وزن مناسب رکھیں، فربہی سے پستان، بڑی آنت، پتا اور پراسٹیٹ گلینڈ کے سرطان کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔

سرطانِ معدہ

اس سرطان میں جاپان سرِفہرست ہے۔ اس کے اسباب میں نمک آمیز گوشت، مسالہ دار غذائیں اور ایسا گوشت جسے کیمیکل لگا کر محفوظ کیا گیا ہو، وہ سرطان ساز اجزا میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس عارضہ میں موروثی اثر بھی ہے، نپولین اور اس کے باپ دادا بھی اسی عارضہ میں مبتلا ہوئے۔

اسلوبِ زندگی اور سرطان

جو آپ کھاتے ہیں، جس طرح آپ کی رہائش ہے، وہ سرطان ساز ہو سکتے ہیں۔ چربی، گوشت، مضر لیکن ٹماٹر، زرد رنگ پھل اور سبزیاں، سویابین مانع سرطان ہیں۔ خصوصاً سرطانِ پستان اور سرطانِ پرواسٹیٹ گلینڈ۔

ریشہ اور سرطان

ریشہ غذا کا ناقابل ہضم جز ہے۔ مثلاً بھوسی یعنی، سیلوز، پیکٹین وغیرہ، یہ غذا تیزی سے سفر کرتی ہے، قبض نہیں ہونے دیتی، مانع سرطان ہے، بے ریشہ غذا آہستہ سفر کرتی ہے، اس دوران سرطانی مواد آنتوں سے طویل عرصہ قرب میں رہ کر باعث سرطان ہو سکتا ہے۔ منہ کا سرطان، تمباکو، پان، چھالیہ، گٹکا، تیز مصالحہ سے ہو سکتا ہے۔ سرطانِ پستان اور ہارمونز، ہارمونز کے اثرات سرطانِ پستان میں اہم ہیں۔ سرطانِ پستان ان خواتین میں عام ہے جن کی ماہواری کم عمری میں شروع ہو جاتی ہے۔ جس کا تعلق بھی فربہی سے ہے، پھر زیادہ عرصہ رہتی ہے۔ ان کے خون اور پیشاب میں نسوانی ہارمونز زیادہ ہوتے ہیں، چناں چہ لڑکیوں کا وزن، ابتدائی عمر سے ہی مناسب ہونا چاہیے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جن خواتین میں چالیس سال کی عمر سے قبل بیضہ دانیاں نکال دی گئیں تو ہارمونز کی مقدار کم ہونے کی وجہ سے سرطان کا امکان بھی گھٹ جاتا ہے۔

سرطانِ قولون

یہ بھی عام سرطان ہے۔ مردوں میں پھیپھڑے اور خواتین میں پستان کے سرطان کے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ یہ ترقی یافتہ دنیا میں زیادہ ہے۔ اسکاٹ لینڈ میں تمام دنیا سے زیادہ ہے، جس کی وجوہ غذا میں چکنائی کی کثرت اور ریشے کی قلّت ہے، شراب نوشی بھی موردِ الزام ہے۔ حیاتین جیم ضدِ سرطان ہے، اس کی کثرت سے خون میں حیاتین بی 21 کم ہو جاتی ہے۔ حیاتین ہ، تیل میں ہوتی ہے اور سرطان سے تحفظ دیتی ہے۔ بی سکس کی کمی سے سرطان کا امکان بڑھ جاتا ہے، اس کی مناسب رسد سے مامونیت بہتر ہوتی ہے۔ حیاتین ب 2 (رائبوفلیون) کی قلّت سے بعض سرطانوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، (ب 21 سایامن) کی کثرت سرطان ساز ہے۔ فولیٹ اور اس کی کثرت بھی سرطان ساز ہے، سبزیجاتی حیاتین الف (بیٹا کیروٹن) پھیپھڑے کے سرطان کے خلاف مزاحمت ہوتی ہے، مگر جب اسے ٹکیاں یا قطروں کی شکل میں بکثرت لیا جائے تو مضر ہے۔

کینسر کے مریض

*اگر کینسر کے مریض کو اسہال ہو جائیں تو پانی خوب پلائیں جو کھانوں کے درمیانی اوقات میں ہو، نہ کہ کھانے کے ساتھ، اس طرح جسم میں پانی کی کمی نہ ہو گی۔ اسہال میں پوٹیشم ضائع ہو جاتا ہے، اس کی بحالی میں پوٹاشیم سے بھرپور غذائیں مثلاً کیلا، سیاہ انگور، کالے کشمش نارنگی، کینو، ناریل کا پانی مفید ہے۔ *زیادہ چکنائی والی غذائیں اور چائے کافی سے پرہیز کریں، *سبزیجات، پکے ہوئے چاول اور روٹی کھانی چاہیے *اگر قبض ہو تو غذائیں ریشے دار ہو سکتی ہیں *اگر سبزیجات کھانے میں دشواری ہو تو گدو کش سے نرم کریں، اگر مریض کھانا نہیں کھا سکتا ہو تو غذائیں بذریعہ رگ دی جائیں *منہ میں زخم بھی عارضہ سرطان اور معالجے کی پیچیدگی ہے *تیز غذائیں، مرچیں، مسالے، لیموئی پھلوں سے احتراز ہو *خشک بسکٹ بھی تکلیف دہ ہو سکتے ہیں، ان کو چائے میں ڈبو کر دیں۔

ZJ

Zaiby Jewellry

Saddaer

Crafting

your Curiosity

021-35215455, 35677786 zaiby_jewellery Zaiby_jewellery

zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

چوتھی قسط

تیری راہ میں

زینب گوہر

سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ان کے تاثرات بدلے, اب غصے کے بجائے ان کے چہرے پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔ "جی بھاٹیہ صاحب کیسے ہیں آپ؟" وہ کسی سے محو گفتگو ہو گئے۔

***

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" شیلا نے پانچ منٹ میں کوئی چوتھی مرتبہ استفسار کیا۔
مریم اپنی ناگواری چھپاتے ہوئے بولی۔ "صبر لڑکی! بس ہم پہنچنے والے ہیں۔"
وہ شمائلہ آنٹی کی بھانجی تھی جو اس کو سرپرائز کہہ کر کہیں لے جا رہی تھی۔ باعمل مسلمان تھی اور معاشی حالات کی وجہ سے باپردہ رہ کر جاب کرتی تھی۔ شیلا کی اس سے بھی اچھی سلام دعا تھی۔ "بس فاروق!" اس نے ڈرائیونگ کرتے فاروق سے ایک بڑے سے گھر کے سامنے گاڑی روکنے کا کہا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ فاروق اس کا کولیگ تھا اور وہ بھی ایک پُرجوش نوجوان تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک مثالی مسلمان تھا۔ شیلا اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اب تینوں گھر میں جا رہے تھے۔
"اللہ!!" شیلا جوش سے اپنے سامنے موجود تین لڑکیوں کو دیکھ کر بولی۔ تین ہندو لڑکیاں جو مسلمان ہوئی تھیں, ان کا آج کل ٹی وی پر بہت شور شرابا چل رہا تھا۔ ان تینوں کے گھر والے حکومت پر ان کو واپس کرنے پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ ان تینوں نے ایک دینی گھرانے میں پناہ لی تھی۔ تمام گھر والے ان بچیوں کی حفاظت کر رہے تھے۔
مریم اور شیلا آدھا گھنٹا ان کے پاس بیٹھیں۔ ان کی قربانیوں نے دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھر دیے تھے۔ دونوں نے ہی ان کو صبر و حوصلے کی نصیحت کی۔
"آپ لوگوں کو کسی بھی مدد کی ضرورت ہو اس نمبر پر مجھ سے رابطہ کیجیئے گا۔"
فاروق بھی اجازت لے کر اندر آگیا اور اب ان کو اپنا کارڈ تھما رہا تھا۔ وہ یہاں آیا ہی اس کام سے تھا۔ جاتے سمے گھر کے سربراہ نے شیلا سے بھی بات کی تھی اور مشکل وقت میں ساتھ دینے کی یقین دہانی کی تھی۔ جب یہ تینوں جا رہے تھے تو فاروق نے خاموشی سے ایک نگاہ مریم سے بات کرتی شیلا کی طرف دیکھا تھا۔

***

"ماما جی! میرا بیگ!" شیلا چلا رہی تھی۔ آج وہ اپنے ماما کے ساتھ اپنے شہر واپس آئی تھی۔ اس کے ماما بھی دوسرے شہر میں پڑھتے تھے۔ کوچ سے اترے تو شیلا کا ہینڈ بیگ غائب تھا۔ "مجھے کیا پتا؟ کہاں رکھا تھا؟"
وہ دوبارہ سے باقی بیگوں میں سے اس کا بیگ تلاش کرنے لگے۔ شیلا ان کو بڑے غور سے دیکھنے لگی, بولی کچھ نہیں, لیکن اس کے انداز پر ماما گھبرائے۔
"مجھے کیوں گھور رہی ہو بھئی, میں تو تمہارے ساتھ بیٹھا تھا۔ اب چلتے ہیں, خستہ حال سا تو تھا۔" وہ گھسیا کر بولے۔
شیلا اپنے غصے کو پیتی اپنا اٹیچی کیس گھسیٹتی ان کے پیچھے چلنے لگی۔
وہ کڑیوں سے کڑیاں ملا رہی تھی۔ سیٹھی صاحب کی دھمکیاں, ماما کا مشکوک انداز میں ہینڈ بیگ کو باقی سامان کے ساتھ رکھوانے پر اصرار کرنا, پھر بیگ کا چوری ہونا, ہو نہ ہو ان میں کچھ مناسبت ہے۔
وہ راستے میں مسلسل سوچ کے تانے بانے بُن رہی تھی۔
"لیکن ماما۔۔ نہیں!" ماما کی دغا بازی پر دل متذبذب تھا, لیکن ماں کے الفاظ "پیسوں کا غلام" جو وہ اپنے بھائی کے متعلق کہا کرتی تھیں, یاد آتے ہی اس کے شک پر یقین کی جیسے مہر لگ گئی۔
اس کے بیگ میں اچھی خاصی نقدی اور اس کے قیمتی کاغذات تھے جو وہ کچھ عرصے سے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے لگی تھی۔ "ماما اب بھروسے کے قابل نہیں!"
وہ ماما کے چہرے کو دکھ سے دیکھتی گاڑی سے اترنے لگی۔

***

وہ اپنے ہاسٹل میں بیٹھی تھی اور اپنی زندگی کے احتساب میں مگن تھی۔ میڈیکل کا آخری سال تھا, پڑھائی کا اہم ترین سال تھا, لیکن اس کی زندگی اتنی غیر متوقع ہو چکی تھی کہ نہیں معلوم تھا اگلے لمحے کیا ہو جائے۔
فون تھرتھرایا تو وہ چونک اٹھی۔ کراچی سے کال تھی اور کافی غیر متوقع تھی۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔
"شیلا تم اپنا بیگ تیار کرو, تمہارے پاپا تمہیں لینے آ رہے ہیں, گاؤں جانا ہے۔"
"سب خیریت تو ہے۔۔"
وہ پریشان ہو گئی۔ اس کے اندر زور زور سے خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔
"پتا چل جائے گا, تم تیار ہو جاؤ۔"
ان کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جو اسے چوکنّا کر رہا تھا, لیکن فی الحال ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔
بیس منٹ بعد وہ پاپا کے ساتھ گاؤں کی طرف رواں دواں تھی۔
اس کے پاپا راستے میں بالکل خاموش تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی اسے ہراساں کر رہی تھی۔ اس نے احتیاطاً اپنے خیر خواہوں کو گاؤں کی روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔

***

"بولو, کیا تم اپنے دین سے باغی ہو گئی ہو۔۔"
آکاش دھاڑا۔ بڑے کمرے میں اس کے پاپا اور ماں تھے اور آکاش اس کے سامنے کھڑا اس سے سوال کر رہا تھا۔ آکاش کی آنکھوں میں یقین تھا۔
"کیا باتیں کر رہے ہیں آپ, میں کیوں ایسا پاپ کروں گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔
آکاش چند لمحے اسے گھورتا رہا, پھر پلٹ کر کوئی چیز اٹھائی اور اس کی آنکھوں کے آگے لہرائی۔
اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔
وہ اس کا اسلام کا آفیشل قبول نامہ تھا جو چوری ہو گیا تھا۔
"کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟ بولو! مجھے کئی بار سیٹھی نامی شخص فون کر کے تمہارا اسلام قبول کرنے کا بتا چکا ہے, مجھے تمہارے کمرے سے اسلامی کتب

بقیہ صفحہ 23 پر

تربیت

مہوش اسد

کچھ بچوں کی تربیت اس طرح کی گئی ہوتی ہے کہ تربیت کرنے والوں کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ایسے ہی ایک بچے کا ذکر کرنے جارہی ہوں, بات بہت پرانی ہے, مگر وہ بچہ میری یادداشت میں آج بھی محفوظ ہے۔

برسوں پرانی بات ہے, جب میں تیرہ سال کی تھی اور ساتویں جماعت میں پڑھتی تھی۔اماں نے چھوٹی عمر سے ہی کام کاج کی عادت ڈال دی تھی۔آٹا گوندھنا, روٹی بنانا کم سنی میں ہی میری ڈیوٹی میں شامل ہوچکا تھا۔ابھی تک ہنڈیا بنانے کا کام مجھے نہیں سونپا گیا تھا۔

ان دنوں کا ذکر ہے جب اماں ابا بڑے بھائی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔بھابھی کے لیے نت نئے کپڑے وغیرہ بنائے جارہے تھے۔پہلے بچے کی شادی تھی, اماں ابا اپنے ارمان, دل کھول کر پورے کرنا چاہتے تھے۔دونوں صبح گھر سے نکلتے اور شام گئے لوٹتے تھے۔اماں کی کوشش ہوتی تھی کہ ناشتے کے ساتھ ہی ہنڈیا بناڈالیں, ہنڈیا بنا کر وہ دن بھر کے کھانے پینے سے بے فکر ہوجایا کرتی تھیں۔باقی روٹی بنانا اور چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالنا, کھانا کھلانا میری ذمے داری ہوتی تھی۔

ایک دن اماں ہنڈیا نہ بنا پائیں اور معمول کے مطابق خریداری کے لیے چل دیں۔جاتے جاتے اتنا کہہ گئیں کچھ نہ کچھ کرلینا بھوکے نہ بیٹھنے رہنا۔

اس وقت تو میں نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا, مگر بعد میں لگی سوچنے کہ کیا بنایا جائے۔مجھے تو سالن بنانا آتا ہی نہیں۔۔۔

دوپہر کو نمکین پراٹھے بنائے اور ساتھ میں چائے, چھوٹے بہن بھائیوں نے بہت شوق سے یہ دعوت اڑائی۔دن جو ڈھلا تو خیال آیا کہ رات اماں ابا آکر کیا کھائیں گے, تھکاوٹ سے اتنا برا حال ہوگا اور کھانے کو کچھ نہ ملا تو شامت بھی آسکتی ہے۔کچن میں جاکر دیکھنے لگی کہ کیا بنایا جاسکتا ہے۔ایک کیبن میں دال رکھی نظر آئی تو پہلا خیال یہی آیا کہ دال چاول بنالیتے ہیں, بس پھر باقی سوچوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے دال چننے بیٹھ گئی۔اپنی عقل کے مطابق دال چولہے پہ چڑھادی, ساتھ ہی چاول چن کر بھگوڈالے۔

شام اماں ابا کے آنے سے پہلے پہلے دال چاول بنانے کا کارنامہ سرانجام دے چکی تھی۔بہت خوش تھی کہ آج اتنا بڑا کارنامہ تنِ تنہا کسی کی رہ نمائی کے بغیر انجام دے دیا, مگر دل ڈر بھی رہا تھا کہ جانے کسی کو پسند آئے یا نہ۔۔۔

ابا جی ابھی آکر صوفے پہ تشریف فرما ہوئے ہی تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔تھکے تھکے انداز میں فون اٹھا کر سلام کرتے ہوئے کان سے لگالیا۔

"جی۔۔۔جی۔۔۔۔الحمدللہ! سب خیریت ہے, جی۔۔۔جی۔۔۔آپ کا اپنا گھر ہے, جب دل چاہے تشریف لاسکتے ہیں۔" ابا جی یک دم سیدھے ہو بیٹھے تھے۔

ہم سب بھی چوکنا ہوچکے تھے کہ جانے کب کون آرہا ہے۔

"بیگم! صدیقی صاحب آرہے ہیں, بھائی اظہر کے دوست, کہہ رہے تھے کچھ سامان بھیجا ہے بھائی نے وہ دینا ہے۔(اظہر ہمارے تایا جی جو کہ بیرون ملک رہتے تھے) میں نے کہہ دیا ہے کہ جب دل چاہے آجائیں۔"

ابا جی نے فکر مندی سے بتایا تو اماں بجلی کی سی تیزی سے اٹھیں، سارا سامان جو ابھی لایا گیا تھا, اسٹور میں رکھا اور کچن کا رخ کیا۔

"کیا بنایا ہے؟" جھنجھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

"دال چاول۔"میں نے ڈرتے ڈرتے مختصر جواب دیا۔

اماں نے مجھے ایسے گھورا جیسے کہہ رہی ہوں آج دال چاول ہی بنانے تھے؟ اب مہمان کو کیا کھلایا جائے۔ابھی امی سوچ ہی رہی تھیں کہ گوشت یا مرغی کا سالن بنالیا جائے, اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔

"لو۔۔۔جی۔۔۔آگئے۔" اماں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

"کوئی بات نہیں بیگم پریشان نہ ہو, باہر سے کچھ منگوالیتے ہیں۔" ابا جی تسلی دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔

صدیقی انکل کو مہمان خانے میں بیٹھایا, ان کے ساتھ ایک سات آٹھ سال کا بچہ بھی تھا۔

ابا جی کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے رہے, پانی پلایا پھر معذرت کرکے اٹھنا چاہا۔

"کہاں جارہے آپ؟" انکل نے ہاتھ تھام کر واپس بٹھالیا۔

"کچھ کھانے کا بندوبست کرنا چاہتے ہیں۔" ابا نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیا پکایا ہے آج؟" انکل نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔۔جی۔۔۔۔بات۔۔۔دراصل یہ ہے کہ ہم آج کل بیٹے کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں, چھوٹی بیٹی گھر پہ ہوتی ہے, اس نے دال چاول بنائے ہیں۔میں آپ کے لیے باہر سے کچھ لے آتا ہوں۔" ابا جی نے ہکلاتے ہوئے تفصیل بیان کی۔

"باہر سے کیوں کچھ لانا ہے, میں تو دال چاول بہت شوق سے کھاتا ہوں, ساتھ میں اچار مل جائے تو مزہ آجائے۔" انکل جی نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔

ابا جی عجب کشمکش میں مبتلا کچن میں چلے آئے۔ساری صورتِ حال اماں کے گوش گزار کردی۔اماں کے چہرے کا رنگ بھی فق ہوا۔

"چلو کوئی نہیں, جو بنا ہے اب لے آؤ, زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔اب وہ صاحب بضد ہیں تو ہم کیا کرسکتے ہیں بھلا۔" ابا جی کہہ کر پلٹ گئے۔اماں نے پریشانی کے عالم میں کھانا اندر بھیجوا دیا۔

"یہ کھانا چھوٹی آپی نے بنایا ہے کیا؟" ننھے تیمور نے رغبت سے کھانا کھاتے ہوئے چہرے پہ حیرانی کے تاثرات سجاتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت مزے دار ہے، لگ ہی نہیں رہا کہ چھوٹی آپی نے بنایا اور پہلی بار بنایا ہے۔بہت لذیذ ہیں یہ دال چاول۔۔۔کیوں بابا؟" اس نے اپنے بابا سے تصدیق چاہی۔

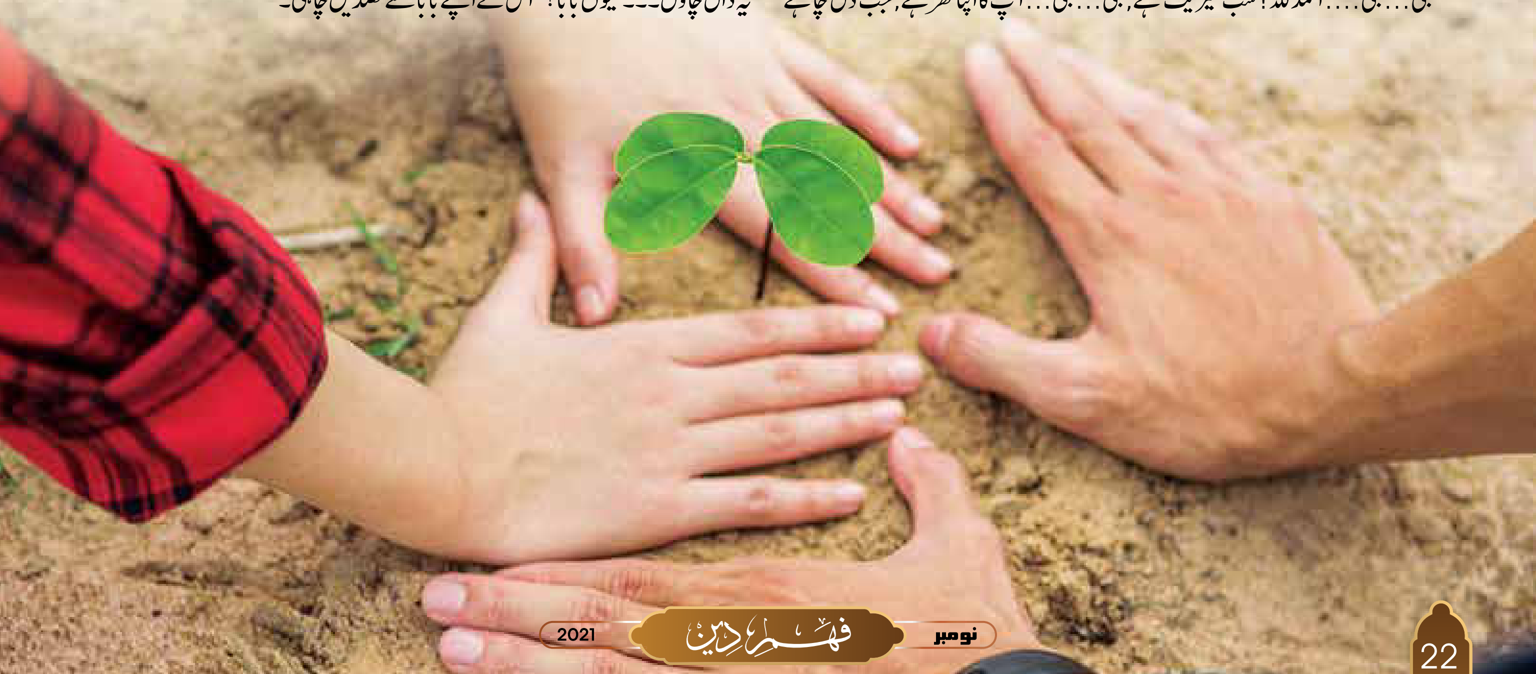

"ہاں واقعی، اتنی دیر سے میں بھی اسی بات پہ حیران ہو رہا ہوں۔ دل ہی دل میں بٹیا کو داد دے رہا ہوں۔" انکل نے مسکرا کر کہا۔

" داد ایسے نہیں دیتے بابا! آپ کو آپی کو انعام دینا چاہیے۔" تیمور نے مصنوعی انداز میں منہ بسورا۔

" ہونہہ! بات تو تمہاری صحیح ہے۔ داد دینے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ چلیں شیخ صاحب بلائیں ہماری بیٹی کو!! ہم اسے انعام دینا چاہتے ہیں۔" انکل، اباجی کی طرف متوجہ ہوئے۔

" نہیں صدیقی صاحب! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ آپ نے کھانا خوشی سے تناول فرما لیا، ہمارے لیے اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے؟" اباجی جو ہونق بنے ان دونوں باپ بیٹے کی باتیں سن رہے تھے، ہڑبڑا گئے۔

" بھئی آپ کو کون انعام دے رہا ہے؟ ہم تو اپنی بٹیا کو انعام دینا چاہتے ہیں, تا کہ جب ہم دوبارہ آئیں تو وہ ہمیں اس سے بھی زیادہ مزے دار کھانا بنا کر کھلائے۔" انھوں نے کچھ اس انداز میں کہا کہ اباجی کو ان کی بات ماننا ہی پڑی, سو مجھے آواز دے ڈالی۔

میں جو دروازے کے باہر کان لگائے کھڑی تھی, (باتیں سننے کی عادت نہیں ہے, لیکن اس روز صورت حال ایسی تھی کہ تجسّس کے مارے دروازے سے چپکی کھڑی تھی) جھٹ دوپٹا ٹھیک کیا اور اندر داخل ہو گئی۔

دل کی دھڑکنیں منتشر ہو رہی تھیں۔

" ماشاء اللہ, ماشاء اللہ! تو اس بیٹی نے بنایا ہے کھانا۔ بیٹا یہاں آؤ ہمارے پاس۔"

میں قدرے گھبرائی ہوئی قریب جا بیٹھی۔ انکل نے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور انعام میری مٹھی میں دبا دیا۔ میں نہ, نہ کرتی رہ گئی۔ تیمور ستائشی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

" آپی آپ تو بہت اچھا کھانا بناتی ہیں ماشاء اللہ۔" اس نے بھی داد دینا ضروری سمجھا۔

انکل کچھ دیر مزید بیٹھے, چائے پی, اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور چلے گئے۔ اماں جنھوں نے ابھی تک مارے تفکر کے کھانے کا نمک مرچ بھی نہیں چکھا تھا۔ ابا کی زبانی ساری باتیں سنیں تو جھٹ سے اپنے لیے کھانا نکال کر بیٹھ گئیں۔

" واہ! میری بیٹی نے تو واقعی کمال کر دیا۔" چند لقمے لینے کے بعد اماں نے میری طرف محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اسی طرح باری باری سب نے تعریف کی۔ میں جواب تک سب کی داد سمیٹ رہی تھی, سوچا خود بھی کھانا کھا لیا جائے۔

کھانا کھانا شروع کیا, مجھے تو اس میں کوئی خاص پن محسوس نہ ہوا۔ حیران ہوئی کہ سب کو اتنا اچھا کیوں لگ رہا ہے۔

میرے ذہن میں تیمور کی تصویر اور الفاظ اجاگر ہو گئے۔ یہ سب اس کے الفاظ اور تربیت کا جادو تھا, اسی نے پہل کی, وہ جان چکا تھا کہ کھانا کسی بچی نے بنایا اور پہلی بار بنایا ہے, اس نے حسنِ طریقے سے سب کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ کھانا بہت مزے دار بنا ہے۔

اک لمحے کو مجھے اس معصوم فرشتے کی تربیت پہ رشک سا آیا۔ کوئی عام سا بچہ ہوتا تو اتنا سادہ کھانا دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتا, تعریف تو دور کی بات ہے۔

میں نے دل ہی دل میں تیمور کا شکریہ اور تربیت کرنے والی ماں کی عظمت کو سلام کیا اور رغبت سے کھانا کھانے لگی۔ انکل اس کے بعد بھی ایک دو بار آئے, مگر تیمور کے ساتھ, اس کے بعد کبھی ملاقات نہیں ہوئی, مگر میں آج بھی اس کی ممنون ہوں۔

بقیہ

تیری راہ میں

ملی ہیں کئی بار۔ میرے پاس ثبوت موجود ہے۔ اب بھی انکار کرتی ہو عائشہ بی بی۔"

وہ پھنکار رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شیلا کا گلا دبا دے۔ اس کا لہجہ اتنا قطعی اور سخت تھا کہ شیلا کے لیے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

شیلا نے بے بسی سے بیٹھے والدین کو دیکھا۔ اس کی ماں رو رہی تھی اور اس کے پاپا کی آنکھیں اس کے وجود پر جمی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں سخت بے یقینی تھی۔

اس کی خاموشی آکاش کو طیش دلا رہی تھی۔ اس نے شیلا کا بازو زور سے پکڑا۔

" بولتی کیوں نہیں ہو؟"

" ہاں, میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔"

آکاش نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا۔ اس کا ہاتھ اٹھا اور شیلا کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔ یہ وہ پہلا تھپڑ تھا جو شیلا نے کھایا تھا۔

" آکاش!" پراکاش صاحب کا لہجہ تنبیہی تھا۔ وہ کھڑے ہو چکے تھے اور اب آکاش کو اپنے پاس بلا رہے تھے۔ آکاش اس کو گھورتا ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ منتظر تھا کہ باپ اس کو حکم دیں اور وہ اس بدبخت لڑکی کو شوٹ کر دے۔

شیلا ان کے مقابل کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ تنہا تھی اور وہ سب ایک ساتھ۔ ایک اقرار نے اس کو سب کے لیے اجنبی بنا دیا تھا۔

" شیلا!" پراکاش صاحب کا لہجہ دکھ سے بوجھل تھا۔

" کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیا کمی چھوڑی تھی ہم نے؟ کیا کمی چھوڑی تھی میں نے؟ کیا تمہاری کوئی خواہش ادھوری رہنے دی؟ کیا کوئی سختی کی گئی تم پر!"

ضبط کے باوجود ان کی آواز بھرّا گئی۔ وہ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اسی نے ان کو سب سے زیادہ دکھ دیا تھا۔

" ابھی بھی وقت ہے بیٹا!"

ان کے لہجے میں التجا تھی۔

" پاپا! یہ اب ممکن نہیں۔"

اس نے نگاہ جھکا کر کہا۔ وہ ان کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی, مگر ان کی بات ماننا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

وہ اس کی بات پر اندر سے ڈھے گئے تھے یقیناً۔

چند لمحے بعد وہ بولے تو ان کا لہجہ ٹھنڈا ٹھار تھا۔

" تم ہو کیا! میرے ٹکڑوں پر پلنے والی! بے حیثیت لڑکی! یہ معاشرہ تمہیں عزت دیتا ہے تو میری وجہ سے! کیا سمجھتی ہو اس گھر سے نکلنے کے بعد وہ لوگ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے! در در کی ٹھوکریں تمہارا مقدر ہوں گی! ماں باپ کو دکھ دینے والے ایسے ہی بھٹکتے ہیں!!"

ان کا چہرہ بھی لہجے ہی کی طرح سرد ہو چکا تھا۔

" آکاش اس کو اوپر والے کمرے میں بند کر دو! اس نے آج تک میری محبت دیکھی ہے نا, اب یہ میری سختی دیکھے گی!"

ان کے کہنے کی دیر تھی, وہ گھسیٹتا ہوا اس کو اوپر لے گیا۔ وہ چلا چلا کر خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے پاپا اس سے ناراض ہو چکے تھے۔ اسے لگا اب اسے اس قید سے اب کوئی نہیں نکال سکتا۔

***

" پاپا!" وہ پاپا کے سامنے ان کے کمرے میں موجود تھی۔ دو ہفتے ہو گئے تھے اس کو یہاں۔ وہ گھر میں قید کر دی گئی تھی۔ اس کے موبائل بھی آکاش نے چھین لیے تھے۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ پاپا کو منا لے گی۔ پرآکاش صاحب کاروباری آدمی تھے, اس لیے وہ سفر میں رہتے تھے, اس کے باوجود شیلا پر ان کی کڑی نظر تھی۔ آکاش اور ماں گاؤں میں تھے, پل پل کی خبر رکھتے اس کی۔

" بولو!" وہ سرد لہجے میں موبائل استعمال کرتے ہوئے بولے۔ ایک اقرار نے باپ بیٹی کے درمیان اجنبیت کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

وہ کہنے کے لیے الفاظ سوچنے لگی اور پھر اس نے ایک عجیب حرکت کی۔

(جاری ہے)

میرے ہم سفر!!

(دوسری اور آخری قسط)

حفصہ محمد فیصل

عالیہ تائی ! نام پڑھ کر سارہ کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب اسے کیا کرنا تھا، وہ بھی اس نے سوچ لیا۔ واقعی ربّ کریم مایوسی میں بھی راہیں نکال دیتا ہے۔

***

عالیہ تائی پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی دین دار شخصیت تھیں، سعودیہ کے شہر ریاض میں بیٹے کے پاس رہتی تھیں۔ وہ موبائل پر رابطوں کی بجائے قریبی رشتے داروں کو خط لکھنے کی عادی تھیں اور اپنی اس ادا سے بہت مقبول تھیں، وہ سعد کو بھی تقریباً ہر دوسرے ماہ ایک مفصل خط لکھا کرتیں اور سعد بھی بہت اہتمام سے ان کے خط کا جواب لکھتے۔

سعد کے نام آئے خط سے سارہ نے پتا نوٹ کر لیا اور ایک مفصل خط عالیہ تائی کے نام لکھا، جس میں ساری بات لکھ ڈالی۔ خط سنیف کے حوالے کیا کہ اسے ڈاک خانے دے آئے۔ اب دن رات سارہ بے چینی سے عالیہ تائی کے سعد کمال کے نام خط کا انتظار کرنے لگی۔ سعد کا رویہ کچھ بہتر ہونے لگا، کھانا گھر پر کھانے لگا مہمان خانے کے بجائے اپنا کمرہ استعمال کرنے لگا، لیکن سارہ سے بات چیت بند رکھی تھی۔

دس دن بعد اچانک ہی سعد کمال گھر میں خوشی سے چلاتے ہوئے داخل ہوا۔

"سارہ، سارہ۔۔۔" سعد کے منہ سے اتنے دنوں بعد اپنا نام سننا اور وہ بھی خوش لہجے میں سارہ کو حیران کر رہا تھا۔

"جی، جی کہیے۔۔۔" سارہ نے فوراً جواب دیا۔

"عالیہ تائی پاکستان آرہی ہیں اور ہمارے گھر قیام کریں گی۔ بس تم جلدی سے تیاریاں شروع کر دو۔"

"آپ مطمئن رہیے۔ سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔" سارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

***

"اب بتائیے تائی جان ! سفر کیسا گزرا؟" رات کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے سعد کمال نے پوچھا۔

"الحمدللہ بیٹا ! تم سب کو دیکھ کر ساری تھکان دور ہو گئی۔" اتنے میں سارہ کچن سے فارغ ہو کر لان کی طرف آئی تو تائی کہنے لگیں۔

"سارہ بیٹا ! یہاں آؤ، صبح سے اہتمام میں لگی ہوئی ہو۔ کچھ وقت میرے پاس بیٹھو۔" تائی جان نے دلار سے کہا۔

"یہ تو اس کا فرض تھا، آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں، جیسے سارہ نے پہاڑ توڑ ڈالے ہوں۔" سعد نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

"ارے سعد ! یہ اتنی تلخی کہاں سے آ گئی تمہارے لہجے میں؟" تائی جان حیرانی سے بولیں۔

سعد کمال کو بھی اپنے لہجے کی ناگواری کا احساس ہوا اور وہ شرمندگی سے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"عورت تو دو میٹھے بول سن کر خوش ہو جاتی ہے، مرد کو اسے سراہتے رہنا چاہیے نہ کہ طنز کے تیر اور نشتر چلانے چاہییں، لگتا ہے تمہاری کلاس لینی پڑے گی۔" تائی جان سارہ کی آنکھوں میں اداسی دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تائی جان ! آپ نے تو آتے ہی پارٹی بدل لی۔" سعد نے شرمندگی مٹانے کے لیے شوخی سے کہا۔

***

اس روز تائی جان نے تمام قریبی رشتے داروں کو سعد کمال کے ہاں مدعو کر رکھا تھا۔ سہ پہر ہوتے ہی تمام رشتے دار سعد کمال کے لان میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ہر کوئی اپنے ساتھ تائی جان کے لیے تحفہ لا رہا تھا۔ سب اس لیے بھی خوش تھے کہ تائی جان کی بدولت سب کو ایک دوسرے سے ملاقات کا موقع مل رہا تھا، ورنہ تو سب اپنی اپنی مصروفیات میں مگن رہا کرتے۔

تمام مہمان آ چکے تھے اور سب کے چہرے سے خوشی کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ تائی جان سب کو خوش دیکھ کر ربّ کریم کا شکر ادا کرنا نہ بھولی تھیں۔

"بچو ! ذرا متوجہ ہو جاؤ۔" تائی جان کی آواز نے سب کو ایک پل میں خاموش کروا دیا۔

آج میں ربّ کریم کا جتنا شکر ادا کروں، کم ہے کہ میرے سارے بچے خوش و خرم ہیں۔ میں عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی ہوں، جہاں انسان کے پاس تجربات کی پوٹلی تیار ہو جاتی ہے۔ کچھ تجربے تلخ اور کچھ شیریں ہوتے ہیں۔ تم سب جانتے ہو، تمہارے تایا جان مجھے کتنا عزیز رکھتے تھے، میری چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا، مجھے ہر کام میں سراہنا، میرے ساتھ وقت گزارنا انھوں نے کبھی مجھ پر طنز نہیں کیا، بلکہ جب میرا پہلا بال سفید ہوا تو کہنے لگے: دیکھو اب ہماری محبت مضبوط ہو گئی، اب محبت کی مہر ثبت ہو گئی، بچوں اور گھر کے لیے میرے خیال رکھنے پر اکثر شکریہ کہتے، میں چاہتی ہوں میرے بچو ! تم سب بھی اپنے اپنے ہم سفر کی قدر کرو، اس سے محبت کرو اور اسے نفسیاتی طور پر خوش رکھو، مادی طور پر تو خوش رکھا ہوا ہوگا، لیکن نفسیاتی طور پر خوش رکھنا کیا ہوتا ہے؟ وہ آج اپنے تجربات کی روشنی میں بتانا چاہتی ہوں۔ کیا تم سب سننا چاہو گے؟ تائی جان نے استفہامیہ نگاہ دوڑائی۔

جی بالکل بالکل ! !

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

دیکھو بچو !

اظہار محبت دلوں کو جوڑنے اور رشتوں کو مزید توانا بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اظہار

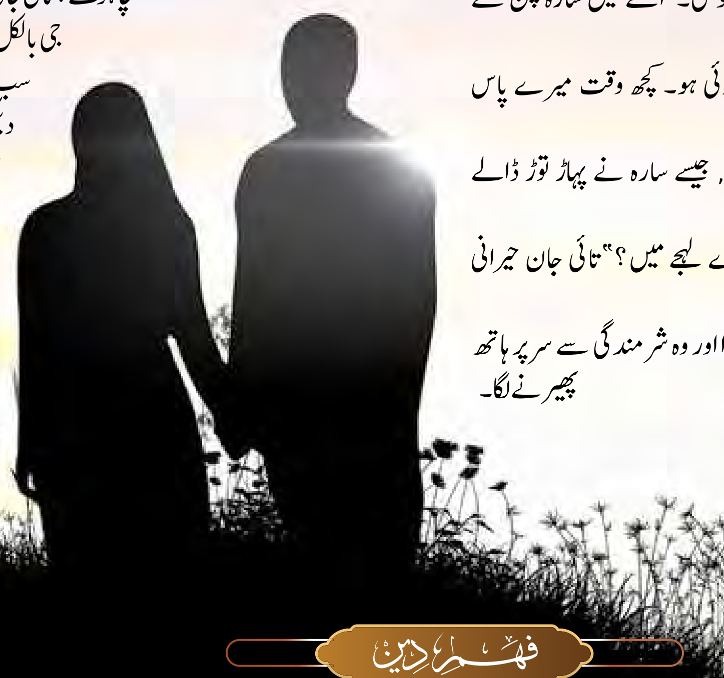

محبت کرنے سے کتراتے ہیں, کہتے ہیں کہ محبت دلوں میں ہونی چاہیے کیا بار بار کہہ کہہ کر جتانا, لیکن محبت ایسا پودا ہے, جسے اظہار کے پانی سے سینچا جاتا ہے۔ اور بات جب زوجین کی محبت کی ہو تو اس پودے کی بڑھوتری اور شادابی کے لیے فقط اظہار کا پانی ہی عمدہ کام انجام دے سکتا ہے۔

"بھئی سارہ! اب کھانا لگواؤ, ایسا نہ ہو کہ سب میری نصیحتیں سن سن کر سو جائیں اور پھر کہیں سعد کمال نے نصیحتیں کھلانے کے لیے بلایا ہے۔" تائی جان نے مسکرا کر کہا۔

"بالکل آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی تائی جان ویسے بھی کھاتے ہوئے نصیحت سننا زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے۔" یہ صفی بھائی تھے سعد کمال کے چچازاد۔

"ہمیشہ سے پیٹو ہی رہے تم" تائی جان کے جملے سے سب کو محظوظ کیا تھا۔

تائی پھر گویا ہوئیں: نکاح کے دو بول ایسے اٹوٹ بندھن میں باندھ دیتے ہیں کہ یہ رشتہ ہر رشتے سے بڑھ جاتا ہے۔ عموماً شادی کی شروعات میں تو دونوں طرف سے وارفتگی اور اظہار ہوتا رہتا ہے, لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے, اس اظہارِ محبت میں کمی ہوتی جاتی ہے, ایک وقت گزرنے کے بعد کبھی کبھی تو زوجین اس رشتے کو بوجھ اور سمجھوتے کا نام دیتے نظر آتے ہیں, شکوے اور گلے پنپنے لگتے ہیں, حالاں کہ غلطی دونوں جانب سے ہو رہی ہوتی ہے, اس میں سب سے پہلی غلطی اظہارِ محبت سے کترانا ہوتا ہے۔ دل میں خیال بھی آتا ہے لیکن اسے "چونچلے" کا نام دے کر کبھی مرد تو کبھی عورت دل ہی دل میں مسترد کر دیتے ہیں۔ حالاں کہ جیسے جیسے عمر کی ڈور آگے بڑھتی ہے اور رشتہ جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے, اظہارِ محبت کی ضرورت زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس اظہار سے جانبین میں تحفظ کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔

اچانک نجم بھائی کی بیٹی انابیہ روتی ہوئی آئی اور باپ کے سینے سے جا لگی۔

"کیا ہوا میرا بچہ؟" نجم بھائی نے لاڈ سے پوچھا۔

"بھیّا نے ڈانٹا کیا" منہ بسورتی انابیہ نے بھائی کی شکایت لگائی۔

"گھر چل کر بھیّا کو بابا ڈانٹی کریں گے" نجم بھائی نے اسی کے انداز سے جواب دیا۔

انابیہ خوش ہو کر دوبارہ کھیلنے چلی گئی۔

"شاباش نجم! مجھے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے, عموماً بچے ایسے حالات میں ماں کے پاس آتے ہیں, لیکن تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تم نے بچوں کو اپنی ذات کا اعتماد دیا ہے۔" تائی جان نے نجم بھائی کو سراہا۔

پھپھو جان آداب! نجم بھائی نے کسرِ نفسی دکھائی, جب کہ ان کی بیگم تائیدی سر ہلا کر مسکرا دیں۔

ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ "عادت تو ہر کسی کو ایک دوسرے کی ہو ہی جاتی ہے, لیکن کبھی اظہارِ محبت کرکے دیکھیے مخالف کی آنکھوں کی چمک اور گالوں کی لالی دیکھنے لائق ہوگی۔ وہ آپ کے کام مارے بندھے نہیں بلکہ شوق سے کرے گا۔ اکثر مرد حضرات اس بات سے غافل رہتے ہیں, حالاں کہ گھریلو زندگی میں یہ اظہار کئی تلخیوں کو دور کرکے زندگی میں مٹھاس بھر سکتا ہے, بلکہ ازدواجی زندگی سے تناؤ دور کرنے کا تیر بہدف نسخہ ہے۔ بس آزمائش شرط ہے, لیکن انھیں یہ باتیں فلمی اور افسانوی لگتی ہیں جب کہ شرعی لحاظ سے یہ بیوی کا حق ہے کہ اسے اپنی محبت کا یقین دلایا جائے اور بڑھاپے میں اس کی ضرورت دوچند ہو جاتی ہے, جب کہ لوگ شادی کے پندرہ, بیس سال بعد یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ ایک عدد زوجہ محترمہ ہیں جو میرے نصف ایمان کی محافظ بن کر مجھے تحفظ دیے ہوئے ہیں, چند بول اظہارِ محبت کے, چند جملے توصیف و تہنیت کے سن کر اس کا دل بڑھا دوں, جس نے سب کچھ چھوڑ کر اپنی زندگی میرے لیے بتا دی, میرے بچوں کی تربیت اور میرے گھر کو بنانے اور سنوارنے میں لگا دی, اسے شکریہ کہوں, اسے سراہوں, اس کو کوئی چھوٹا سا تحفہ دوں, کوئی محبت بھرے بول کہوں, یہ بول اس کے اندر کیسی توانائی بھر دیں گے, یہ بول کیسی جادوئی پڑیا جیسا کام کریں گے۔

آپ سوچ بھی نہیں سکتے, یہ کیسا کارگر نسخہ ہے, بلکہ اظہارِ محبت کے برعکس طنز کے تیر برسائے جاتے ہیں, "تم کرتی کیا ہو؟" کے طعنے دیے جاتے ہیں, جو اس رشتے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں پھر صرف سمجھوتا اور دکھاوا رہ جاتا ہے, باقی سارے جذبات کے تاج محل چکنا چور ہو کر زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ اس لیے گاہے بگاہے بلکہ روزانہ کی بنیاد پر اظہارِ محبت کو اپنے اوپر لازم کیجیے, اپنی محبت, خیال اور وارفتگی کا برملا اظہار کیجیے۔

اپنوں کے لیے وقت نکالیے ان کو یہ احساس دلائیے کہ "وہ آپ کے لیے کتنے اہم ہیں"

اسی لیے میں اس جدید ٹیکنالوجی کو رشتوں کا قاتل کہتی ہوں, جو انگلیوں کے دو پوروں سے سب کچھ لکھ کر سمجھتا ہے حق ادا کر دیا۔

چاند تارے کوئی توڑ کر نہیں لا سکتا, لیکن میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجین کو ایسی باتیں کرنے کی اجازت دی بلکہ اس پر اجر کا وعدہ بھی کیا ہے تو زوجین محبت کے اظہار میں کنجوسی نہ کیجیے۔ یہ ایسا ڈوز ہے جو آپ کے ارد گرد رنگوں کا حصار باندھ دے گا, آپ کی زندگی کو لطیف بنا دے گا۔ کسی اور کی سمت دیکھنے کا دل بھی نہ چاہے گا کیوں کہ من میں پیا کے گیت جو گنگنا رہے ہوں گے۔

احمر نے ہاتھ بلند کیا: "پھپھو جان میں سچی میں ہر ماہ مہرین کو تحفہ دیتا ہوں" احمر کی معصومیت سے بھرپور جملے نے نجم کو پھر اکسایا:

"منّے تم تو اول آ گئے"

ہاہاہا! سب کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا جب کہ مہرین اس بات سے جھینپ سی گئی۔

"بھئی میرے بچے تو ہیرا ہیں ہیرا" تائی جان نے دلار سے کہا: "کیوں سعد؟"

تائی جان نے سعد کمال کی طرف استفہامیہ نگاہ سے دیکھا۔

"جی جی تائی جان!"

سعد کمال جو ان سب کی اپنے بیوی بچوں سے محبت دیکھ کر اپنا موازنہ کرنے میں لگا تھا تائی جان کے سوال سے گھبرا گیا۔

"بھئی ہیرا تو ہماری سارہ بھابھی ہیں۔" یہ نرمل کی آواز تھی جو آج بنا کسی حسد کے اپنی بھابھی کے لیے برملا محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ نرمل کے لفظوں کا خلوص سارہ کو سرشار کر گیا۔ تائی جان بھی سارہ کے آسودہ چہرے کے دیکھ کر خوش ہوئیں۔

تو پھر آج سے بلکہ ابھی سے یہ ساری باتیں اپنی زندگیوں میں شروع کیجیے۔

"اللہ ہم سب کو اپنے نصف بہتر کی قدر دانی نصیب فرمائے۔ آمین۔۔۔"

اور اس آمین میں وہاں بیٹھے سب لوگوں کی آواز شامل تھی۔ سعد کمال نے بھی دل سے آمین کہا۔

خواتین کی آنکھیں تو باقاعدہ بھیگ چکی تھیں۔ اکثر مردوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔

"بیویوں کو بھی مرد کی قدر کرنی چاہیے, تائی جان!" کہیں سے ایک شوخ آواز ابھری۔

"بالکل کرنی چاہیے, بلکہ دم بھرنا چاہیے کہ اسی میں اس کی جنت پوشیدہ ہے۔" تائی جان کسرِ نفسی سے بولیں۔

دور بیٹھی سارہ تائی جان کو ممنونیت سے دیکھ رہی تھی جب کہ سعد کمال دل ہی دل میں سارہ کے ساتھ اپنے رویے پر پشیمان ہو رہا تھا, مگر ابھی بھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا تھا, اس بگاڑ کو ٹھیک کیا جا سکتا تھا اور اسے ٹھیک کرنے کی ذمے داری سعد کمال کی تھی کیوں کہ بگاڑ بھی تو اسی نے پیدا کیا تھا۔

اصل حقیقت

کائنات غزل

"ابو میں سوچ رہا ہوں کہ قضا نمازیں شروع کردوں، زندگی کا کیا بھروسا۔۔۔ اپنے اوپر قرضہ لے کر جانا۔۔۔" 19 سالہ اسامہ رفیق اپنے اعمال کی فکر کرتا رفیق راؤ کو بہت حسین لگا۔ "کیا ہو گیا اسامہ کیوں دل دہلانے والی باتیں کر رہے ہو۔ بھلے نمازیں پڑھ لو۔۔۔ لیکن مرنے کی باتیں تو نہ کرو۔" بیگم رفیق نے اسامہ کی باتوں سے گھبرا کر اسے گھر کا۔

"او پیاری ماں۔۔۔ مرنے کی باتیں نہ کریں تو جئیں کیسے۔۔۔ آنے کا وقت ہے دنیا میں ۔۔۔ لیکن۔۔۔ جانے کا کوئی وقت نہیں۔" "کوئی عمر ہے یہ اس طرح کی باتوں کی۔۔۔ ابھی دادی سلامت ہیں دادا سلامت ہیں نانا۔۔ نانی۔۔ پھر بچوں پر ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسامہ ان کا چوتھے نمبر کا بیٹا تھا، کھلنڈرا سا۔۔ لاأبالی سا۔۔۔ نہ جانے کچھ دنوں سے موت کا اکثر ذکر کرنے لگا تھا۔

"امی میں نے آپ کے پاس 10 ہزار رکھوائے تھے کل۔۔ وہ دے دیجیے۔" "عجیب لڑکا ہے ایک دن رکھواتا ہے اگلے دن لے لیتا ہے۔۔۔ ارے بھائی اپنی دراز میں رکھو۔" وہ گھٹنوں پر زور دے کر اٹھیں۔

"اب کبھی نہیں رکھواؤں گا بس خوش۔" وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

اس کے جملے سے بیگم رفیق کے دل پر ہاتھ پڑا۔

"بس فضول ہی بولنا۔۔" اسے پیسے تھماتے ہوئے بولیں۔

"ماں اس لیے رکھواتا ہوں آپ کے پاس کہ اپنے پاس رکھ کر خرچ کرتا ہوں نہ برکت ہوتی ہے نا مزہ آتا ہے۔ آپ سے مانگ کر خرچ کرنے میں جو مزہ ہے وہ اپنے پاس سے خرچ کرنے میں کہاں۔۔ اچھا میرا انتظار مت کیجیے گا۔ کھانا دوستوں کے ساتھ کھاؤں گا بوٹ بیسن پر سب جمع ہوں گے۔" وہ ماں کے ہاتھ کا بوسہ لیتا یہ جا وہ جا۔

بیگم رفیق مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلانے لگیں۔

"ہاہاہا۔۔ پورے ریسٹورنٹ میں ان کے گروپ کے قہقہے گونج رہے تھے۔۔۔ لوگ ان خوش باش لڑکوں کو مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے، دور کھڑی ایک اور چیز جو ان پر قہقہے لگانے والوں پر قہقہہ لگا رہی تھی۔

"ہا۔۔۔ ئ" اسامہ کو ہنستے ہنستے زور کی ہچکی آئی۔

"یہ تھی موت کی آخری ہچکی۔" اسامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابے موت کی نہیں زندگی کی آخری ہچکی۔" ارسلان نے پے منٹ کرتے ہوئے کہا۔

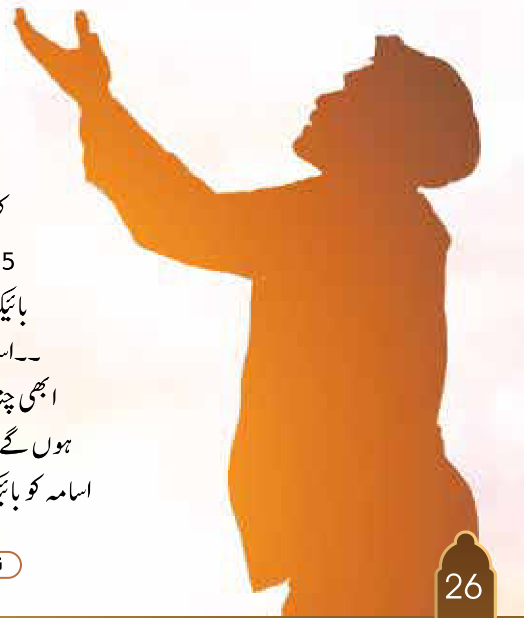

5 لڑکے تھے یہ 2 ایک بائیک پر۔۔ 2 ایک بائیک پر ۔۔ اسامہ اکیلا چلا رہا تھا۔ ابھی چند فرلانگ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک تیز رفتار پراڈو اسامہ کو بائیک سمیت اچھالتی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

دونوں بائیک اس کے قریب پہنچیں۔۔۔ چاروں دوست اس تک پہنچے چند لمحوں کا کھیل تھا جو کھیلا جا چکا تھا۔

اسامہ کی گردن ڈھلکی پڑی تھی۔ سر اور جسم کے کئی حصوں سے خون فواروں کی طرح بہ رہا تھا۔

فوری ایمبولینس آئی۔۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا۔۔۔ لیکن اس کی موت اسے اپنے سارے رشتوں سے دور لے جا چکی تھی۔

اس کے گھر میں جیسے کہرام مچ گیا۔۔۔ بیگم رفیق غش کھا کر گر پڑیں۔ اسامہ کے الفاظ۔۔ اس کی باتیں گھر میں گونج رہی تھیں کہ انسان کے دنیا میں آنے کی تو ترتیب ہے کہ پہلے دادا۔۔ پھر باپ پھر پوتا دنیا میں آتا ہے۔ لیکن جانے کی کوئی ترتیب نہیں ہے پہلے بیٹا چلا جائے یا باپ چلا جائے۔ دنیا کی زندگی فانی ہے اصل حقیقت یہی ہے کہ ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ دنیا ایک اسٹیشن کی طرح ہے ہماری منزل تو آخرت ہے۔ کب آخرت کی سواری آئے اور ہم سوار ہو کر جائیں۔

آخرت کی تیاری ضروری ہے اور اسٹیشن (دنیا) میں انسان کو بھوک لگتی ہے اسے پورا کرنا ضرورت ہے ہماری۔ لیکن ہم نے ضرورت کو ضروری ترجیح دی ہوئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضرورت کو پورا کرنے کے چکر میں اپنی ضروری چیز (آخرت) کی تیاری رہ جائے۔

ہمارے پاؤں ننگے نہیں ہیں

میرے کشمیریو!
تم پہلی قوم نہیں، جو انتہا پسند ہندوؤں کا نشانہ ہے۔
تم نے تاریخ نہیں پڑھا ہوگا
کہ 470ء میں سفید ہن ہندوستان آئے تھے
جنہوں نے بدھ تہذیب کا نام ونشان مٹا دیا تھا
حالاں کہ سفید ہنوں کو بدھوں سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا
وہ تو ننگے پاؤں پھرتے کہ کسی چیونٹی کا خون نہ ہو جائے
میں تمہیں بتاتا ہوں
کہ یہ سفید ہن تاریخ کا ایک سفید جھوٹ ہے
یہ انتہا پسند ہندو تھے، جنہوں نے
بدھوں کی امن پسندی کا خون کیا تھا
ان کے شہروں اور خانقاہوں کو تاراج کیا تھا
میرے گندھارا اور تخت بھائی کے گلی کوچے اس کے گواہ ہیں
اب وہ تمہارے سری نگر کے درپے ہیں
میرے اسلام آباد پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں
لیکن وہ بھول رہے ہیں
یہ 470 عیسوی نہیں 2021ء ہے
اور ہم ننگے پاؤں نہیں پھرتے

(انتخاب: شہزادہ خرم)

دنیا کی محبت

بنتِ ایوب مریم

انسان جب اللہ سے دور ہوتا ہے تو دل کی ترجیحات بدلنے لگتی ہیں۔ دل دنیا کی وقتی آسائشوں اور لذتوں کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔ دنیا کی محبت سے انسان اللہ سے دور اور دنیا والوں سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ کی محبت کی جگہ دنیا کی ظاہری چکا چوند دل میں گھر کر لیتی ہے۔ انسان اپنے وقتی فائدے کو اخروی فائدے پر فوقیت دینے لگتا ہے۔ اللہ کے لیے وقف کیا گیا وقت اسے ضیاع لگتا ہے۔ اللہ والوں کی مجلس سے دوری ہونے لگتی ہے اور پھر انسان خود کی شناخت بھولتے بھولتے اللہ کو بھول جاتا ہے۔ اللہ کی محبت کے دل سے نکلتے ہی دنیا کی محبت اس کے دل میں اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہے، جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ

دنیا سے محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

دنیا کی محبت کا اہم سبب اللہ سے دوری ہے۔ دنیا کی محبت انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے، جس سے انسان اندھا اور سوچنے کی صلاحیت سے عاجز آ جاتا ہے۔ دنیا کی محبت آنکھوں اور دل پر پٹی باندھ دیتی ہے، جس سے انسان آخرت کا انکاری ہوتا چلا جاتا ہے اور وقتی فائدے کو ہی ابدی منافع تصور کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حُبُّكَ لِلشَّیِٔ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ

کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔

دنیا کی محبت کرنے والے کو آخرت کا استحضار نہیں رہتا۔ ہر عمل کی انجام دہی میں اس کے پیشِ نظر دنیا کا منافع یا خسارہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا کو جہانِ ابدی تصور کرتے ہوئے مال و زر ذخیرہ کرتا رہتا ہے۔ دوسروں سے چھین یا نوچ کر اپنی آل کے لیے جمع کرتا ہے اور یہی اولاد بڑھاپے میں دھتکار دیتی ہے اور آخرت میں جمع کیا ہوا مال گلے کا طوق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

اور یہ دنیوی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ (آل عمران: 185)

دنیا کی زندگی عارضی اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ دنیا کی ہر خوشی اور آسائش چند پل کی مہمان ہے جب کہ آخرت کی خوشیاں ابدی اور کبھی نہ زائل ہونے والی ہوں گی۔ اللہ کے بندے جو دنیا اور آخرت کی حقیقت سے واقف ہیں، وہ کبھی اپنی دنیاوی خواہشات اور دنیا سنوارنے کے پیچھے نہیں دوڑتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے مومن کے لیے دنیا کو قید خانہ بنایا ہے، یہاں جس قدر مصائب ہوں گے، آخرت میں اتنے ہی مزے ہوں گے۔ اللہ نے دنیا کو مومن کے لیے قید خانہ اور اللہ کا انکار کرنے والوں کے لیے جنت بنایا ہے۔

اللہ کے بندوں کی نظر میں دنیا ایک خسیس شے ہے۔ دنیا کی حقیقت ان کے لیے ایک دھوکے سے زیادہ نہیں ہے، جس سے وہ تہی دامن ہو کر چلتے ہیں۔ اللہ کا محبوب بندہ تو وہ ہے جو دنیا کی چکا چوند اور روشنیوں میں رہتے ہوئے بھی ایک اللہ کو یاد رکھے۔ دنیا سے بے نیازی و بے رغبتی برتے۔ ہر دم اللہ کی محبت سے سرشار رہے اور دنیا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ کے احکام پر عمل بجالائے۔

دنیا کی محبت پر علمائے کرام نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بھوکا مسافر جنگل میں سفر کرتا ہوا ایک مسجد میں گیا۔ تین لوگوں کو نظریں جھکائے مختلف کونوں میں بیٹھے دیکھا تو یہ بھی انہی کی طرح چوتھے کونے میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک عورت تھال اٹھائے اندر آئی۔ سب نے نظریں جھکائے رکھیں، جبکہ چوتھا شخص اسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ عورت نے پہلے شخص کے آگے کھانے کا تھال رکھتے ہوئے اسے کھانے کا کہا اور انکار پر اصرار کیا۔ عورت کے اصرار پر پہلے شخص نے کھانا شروع کیا اور ہڈی عورت کے منہ پر مار دی۔ دوسرے اور تیسرے شخص نے بھی یہی سلوک کیا۔ جب عورت چوتھے شخص کے پاس کھانا لے کر آئی، وہ پہلے سے ہی کھانے کے انتظار میں تھا۔ جھٹ شروع کیا اور جب اس نے ہڈی عورت کے منہ پر ماری، عورت نے بھی تھپڑ رسید کر دیا۔ اس شخص نے حیران ہو کر پوچھا کہ پہلے تینوں نے بھی تیرے ساتھ یہی سلوک کیا اور تو نے کچھ نہیں کہا، پھر میرے تھپڑ کیوں مارا؟

عورت بولی: "میں دنیا ہوں اور یہ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں انھیں منا رہی ہوں، لیکن تم تو خود مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔"

یہ اللہ تعالی کی محبت ہے کہ جب انسان خود کو اللہ کی خواہش کے تابع کر کے اللہ کا محبوب بن جاتا ہے تو اللہ دنیا کو اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔ دنیا اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہے اور اگر انسان دنیا کے پیچھے بھاگتا اور اللہ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے تو اسے اللہ دنیا کی محبت میں رسوا کر دیتے ہیں۔ اس طرح نہ دنیا ملتی ہے، نہ اللہ!

بلا عنوان

صبا مسعود

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 دسمبر ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

ثمرہ کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر تمکنت کے ہاتھوں میں پھر سے توانائی کی رمق آ گئی۔ بھوک کی شدّت کے باوجود بچی کے ضبط کا مظاہرہ قابلِ تحسین تھا۔ گھٹنوں پر سر جھکائے وقتاً فوقتاً بچی کبھی گھڑی کی جانب کبھی ماں کے تیزی سے اون اور سلائیوں سے الجھتے ہاتھ دیکھتی اور خود کو گویا تسلی دیتی۔۔۔ اگرچہ وہ سب فاقے سے تھے، مگر اب وہ وقت قریب تھا کہ ماں بُنائی مکمل کرتی اور پھر ہی سودا لا کر بھوک کا علاج کرتیں۔

یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ لوگ دو وقت کے فاقے سے گزرے تھے، ورنہ جو بھی ہوتا جیسا بھی ہوتا تھوڑا بہت کچھ نہ کچھ کھا کر وہ اگرچہ پیٹ بھر کر سیر ہو کر نہ سہی، مگر کچھ نہ کچھ کھا کر سوتے، مگر اب کی بار کچھ بھی نہ تھا۔ دو وقت کا وہ فاقہ ایک بہت بڑے امتحان کی صورت میں نازل ہوا اور پھر دروازے کی دستک نے امید کا دیا جلایا۔

مسز سہیل عجلت میں داخل ہوئیں اور کہا، "ارے بھئی تمکنت کہاں ہو؟ فوراً خوش خبری تو سنو۔۔۔ میری نازنین کے ہاں پھر سے لڑکا ہوا ہے۔ صبح کی گاڑی سے روانگی ہے میری۔۔۔ تم تو جانتی ہو تمہارے علاوہ کسی کی سلائی کڑھائی، بُنائی مجھے پسند نہیں۔ بس یہیں ذرا جھٹ پٹ میرے نواسے کا ٹوپے موزے کے ساتھ سوٹ بُن دو۔ نفیس سا بُننا اور ہاں۔۔۔ یہ لو۔۔۔ اس نمونے کا ہو۔۔۔ دیکھ وقت پر بُن لینا۔۔۔ بے شک اُجرت دُگنی لے لینا، مگر وقت پر اور اچھا سا بُننا، ٹھیک ہے!!! اچھا چلو میں ذرا سامان باندھ لوں۔"

یہ کہہ کر وہ یہ جا وہ جا۔ اُجرت کی آرزو تو تمکنت کو عام دنوں کی نسبت اور بھی زیادہ تھی۔ ثمرہ و نمرہ تو پھر بڑی بچیاں تھیں، پانچ اور چھ سال میں ان کا صبر بڑوں کے صبر کو مات دے رہا تھا، مگر گود کے ننھے توقیر کو بھلا کیسے صبر آئے۔ دودھ کے لیے بلک بلک کر اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔ ادھر تمکنت کے شوہر صاحب مسجد کے مؤذن ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ گھروں میں قرآنِ پاک کی تعلیم دیتے تھے، جن کو پورا مہینا علوم میں سب سے اعلیٰ علم کی تدریس کے بعد بہت ہی بے دلی سے وہ بھی رو رو کر نہایت معمولی تنخواہ ملتی جو کہ مہینے کے ابتدائی دس دنوں میں ہی پَر لگا کر اُڑ جاتی، پھر اُن کی زندگی کی گاڑی کا دوسرا پہیہ تمکنت ان کا ساتھ دیتی۔ کبھی سلائی کبھی کڑھائی کبھی بُنائی اور کھانے پکانے کے ذریعے محلوں کی خواتین اس کے سلیقے کا فائدہ اٹھاتیں اور اس کے عوض میں اس کی محنت کا نصف بھی نہ دیتیں۔ ہاں البتہ ساتھ احسان جتا کر گلے سڑے پھل، بچی ہوئی سبزیاں ضرور عنایت ہو جاتیں۔

یہ تمکنت کا سلیقہ تھا کہ گھر کی دال سبزی اور ترکاری کے ختم ہو جانے پر بچی ہوئی چیزوں سے بھی ایسی چیزیں بناتی کہ بچے رغبت سے کھا لیتے کبھی حلیم کبھی دلیا اور کبھی کھچڑی کے نام سے، مگر تھی تو ماں۔۔۔ معصوم بچوں کے کملائے چہرے دیکھ کر بارہا چپکے چپکے اپنے آنسو پونچھتی کہ اتنی محنت کے باوجود اس کے بچوں کو وہ عید بقر عید کے علاوہ گوشت کھلانے سے قاصر تھی۔

اُلجھی سوچوں مگر پُر امید ذہن کے ساتھ وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ بُنائی مکمل ہوتے ہی اس نے ثمرہ کو شاپر پکڑایا اور تاکید کی۔۔۔ "بیٹا اپنے کھلنڈرے پن میں نہ رہنا، تھوڑا صبر کرکے اُجرت لیتی آنا۔" بچی کے چہرے پر نقاہت کے باوجود آئی چمک یہ بتا رہی تھی کہ وہ ضرور لیتی آئے گی، مگر بہت دیر انتظار کے باوجود جب وہ لٹکے ہوئے چہرے کے ساتھ داخل ہوئی تو سراپا انتظار تمکنت کی کنپٹیاں گویا سلگ اٹھیں، یہ سن کر۔۔۔ کہ مسز سہیل کی بہو نے بچی کو سامان لینے کے بعد دروازے پر ہی یہ کہہ کر روک دیا کہ امی تمہیں ابھی یہیں آکر دیتی ہیں اور بہت دیر انتظار کرکے تھک ہار کر بچی واپس چلی آئی۔ انھوں نے فوراً سر پر چادر لی اور ان کے گھر اُجرت لینے روانہ ہوئیں۔ دستک پر دستک۔۔۔ مگر کوئی برآمد نہیں، آخر چوتھی دستک پر مسز سہیل کی بہو نے دروازہ کھولا اور ان کو دیکھ کر روکھائی سے بولی۔ ارے بھابھی آپ اس وقت؟ اس وقت تو میرے میاں گھر پر تھکے ہارے آتے ہیں آفس سے۔۔۔" اس کے انداز پر تمکنت صبر کے گھونٹ پیتی ضبط کرتی بولیں: "ارے میں بیٹھنے نہیں آئی وہ۔۔۔ وہ دراصل میں، میں اپنی اُجرت لینے آئی تھی۔" ان کی بات پر وہ عجلت میں بولی۔ "او ہو۔۔۔ وہ تو امی دینا بھول گئیں۔ اصل میں ان کو ابرار ماموں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے ساتھ لے گئے۔ خیر! آپ ذرا رُکیے! امی نے آپ کے لیے مٹر چاول دیے تھے۔۔۔ میں بچی کو دینا بھول گئی۔۔۔" ہاتھ میں تھیلی پکڑا کے بے مروّتی سے ان کے منہ پر ہی دروازہ بند کر دیا۔ ان کو لگا کہ زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔ اُجرت کے بھروسے وہ یہ اُمید بھی باندھ بیٹھی تھیں کہ ننھے توقیر کو بخار کی دوا دِلا لائیں گی مگر۔۔۔ آنکھوں میں آئے آنسو انھوں نے بے دردی سے پونچھے اُس وقت بھلا صبر کے سوا کوئی چارہ

تھا۔ دل میں بارہا خیال آنے کے باوجود زبان نے ہمت نہ کی کہ بہو سے ہی مانگ لیتیں۔ باقی رہی سہی کسر ان مٹر چاول نے پوری کردی۔ وہ یہ سمجھ کر تیز قدم اٹھاتی گھر کی جانب دوڑیں کہ تیار کھانا دیکھ کر کم از کم بھوک سے تڑپتے بچوں کو تو سکون آئے، مگر ہائے افسوس! کیڑا لگے چاول بھی کچے تھے اور مٹر بھی تقریباً گلے ہوئے۔ تھیلیاں کھلتے ہی بچوں کے پُر جوش چہرے بالکل اتر گئے۔ تمکنت کے دل سے ہُوک اٹھی۔ کاش کہ وہ اس احسان کے بوجھ تلے دبانے کے بجائے مجھے صرف میری اُجرت دے دیتیں، مگر وقت پر۔" بچیوں کو ساتھ لگایا اور چاول اچھی طرح چن کر سڑے ہوئے مٹر کے دانوں میں سے قابلِ استعمال دانے نکالے اور پکنے کے لیے چڑھا دیے۔ ان حالات میں بھی قابلِ توصیف بات یہ تھی کہ وہ خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں جس نے ان کو رات کو بھوکا نہیں سلایا اور پیٹ بھرنے کا انتظام کردیا۔

صبح ہوتے ہی مؤذن صاحب نے خوش خبری سنائی کہ ملک صاحب کے باغ سے پھلوں کی اترائی کا وقت آگیا ہے اور وہ ان سے بات کر چکے کہ اب کی بار وہ بھی مزدوری کریں گے۔ سارا دن مزدوری کر کے جب وہ آئے تو چہرے پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ "اللہ پاک خیر کرے صاحب! آج آپ کا مزاج صحیح نہیں لگ رہا۔"تمکنت فکر مند ہوئیں۔"بس بیگم خیر کیا ہو۔ طبیعت کے خلاف آج پورے دن محنت مزدوری کی، دل کی خجالت پر کئی بار خود کو ڈانٹا کہ مزدوری میں شرم کیسی۔ محنت سے کمانے والا ابراہیم علیہ السلام کا دوست ٹھہرا۔ صرف اس اُمید پر کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال ذرائع اپناؤں، مگر اس وقت دل بہت ٹوٹا جب عظمت صاحب کی گفتگو بے ارادہ کان میں پڑ گئی۔ وہ حماد صاحب سے کہہ رہے تھے: "بھلا دیکھیے تو یہ کام ہے مؤذن صاحب کے کرنے کا؟؟" اللہ نے ان کو اتنا معزز پیشہ عطا کیا ہے۔ دین کی خدمت بھی ساتھ آمدنی بھی اور پھر محلے دار بھی ان کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ آپ ہی بتایئے کہ یہ مزدوری والے کام ان کو زیبا ہیں؟؟"

اِدھر حماد میاں بولے:"بس بھائی یہی تو پیسے کی ہوس ہے، تمام حریص لوگوں کی طرح ان کو بھی اور زیادہ اور زیادہ کی طلب ہے۔"

وہ تو آپس میں تبادلہ خیال کر رہے تھے، مگر وہ یہ نہ جان سکے کہ کس طرح وہ ایک خود دار آدمی کی خودی کو بے رحمی و سفاکی سے کچل رہے ہیں، بس تب سے طبیعت بوجھل ہے۔ دل افسردہ ہے۔ اوّل تو مؤذن و امام کی تنخواہ اتنے معزز کام کے باوجود اتنی معمولی رکھی جاتی ہے کہ اس میں کجا یہ کہ وہ اپنے اہل و عیال کو پال سکیں، خود اپنے خرچ اٹھانے کے لیے بھی ناکافی ہوتی ہے۔ اوپر سے اتنے بہت سے گھروں کے بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کی اُجرت بھی بمقابلہ دوسرے دنیاوی علوم پڑھانے والے اساتذہ کی اُجرت کے بے حد کم رکھی جاتی ہے۔ ساتھ ہی سلوک میں بھی واضح امتیازی رویّہ انگریزی ٹیوٹرز کے ساتھ ہوتا ہے اور نعوذ باللہ مولوی صاحب، قاری صاحب کو بے توقیر ہستی سمجھتے ہیں۔" نجانے کب کا غبار تھا جو آج مؤذن صاحب بھرّا گئے۔

"کس قسم کا فرق ہے سلوک میں؟" تمکنت تو حیرت زدہ تھیں۔"اس طرح کا۔۔۔ کہ اگر ٹیوشن والے ٹیچر قاری صاحب کے ٹائم میں آجائیں تو قاری صاحب کو دروازے سے بھگا دیا جاتا ہے اور عملاً اس تعلیم کو تعلیمِ قرآن پر نعوذ باللہ فضیلت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹیوٹر اگر چھٹی کرے تو اس کی مجبوری مستند ہے، جب کہ قاری صاحب کی مجبوری بلا دلیل۔۔۔ بہانہ سمجھ کر ان کی اس قلیل تنخواہ میں سے بھی کٹوتی ہو جاتی ہے۔"

مؤذن صاحب کی وضاحت پر تمکنت بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ٹھہریں ایک سیدھی سادی دین کی تعلیم سے آراستہ گھریلو عورت ان کی نظر میں دین اور تعلیمات دین سے بڑھ کر کچھ تھا ہی نہیں۔ وہ تو محلے والوں کی کام کرانے کے بعد ان سے بے اعتنائی پر ہی بد دل تھیں، اب شوہر کی باتیں سن کر سوچنے لگیں کہ آخر ہم کس طرح کے مسلمان ہیں۔ خدا، رسول شریعت و قرآن سے محبت کے دعویدار، جبکہ عملاً اس کے برعکس۔۔۔ وہ سوچ میں پڑ گئیں کہ جب لوگ ٹیوٹر کو ایک ایک مضمون کے علیحدہ علیحدہ بھاری اُجرت دے سکتے ہیں تو خدا کی کتاب پڑھانے والے کے لیے ان کے دل اس قدر تنگ کیوں ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ لوگوں کے اس دوہرے معیار پر بھی دل میں شاکی تھیں کہ معاشرے کے بنائے معیار کے مطابق جو شخص بھی حیثیت والا ہوتا اور وہ ظاہر ہے دولت مند، مال دار ہوتا، اس کو اس کی محنت کا عوض اس سے مرعوب ہوتے ہوئے منہ مانگا دیا جاتا ہے، جبکہ مدرّسِ قرآن ہو یا کم حیثیت والا کوئی بھی محنت کش!! اس کو اس کی اُجرت نہایت کم دی جاتی ہے، وہ بھی ترسا ترسا کر یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی اُجرت دیے جانے والی اُجرت کے مقابلے میں دُگنی ہے۔ اس کو اس کی محنت کا عوض نصف کر کے دیتے ہیں۔ اوپر سے بعض لوگ نہایت نخوت سے احسان جتاتے ہوئے اُجرت کے ساتھ کچھ بخشش عنایت کر دیتے ہیں۔ کیا ہو اا گر وہ خود دار کی خودداری کو ٹھیس نہ پہنچاتے ہوئے اُجرت کو ہی معقول ٹھہرائیں اور بخشش کے بوجھ تلے دبانے کے بجائے انصاف کے ساتھ سامنے والے مجبور انسان کی محنت کا پورا پورا عوض دیں۔"

گالوں پر بہتی نمی سے چونک کر تمکنت نے بہتے آنسو صاف کیے۔ ان کو محسوس ہی نہ ہوا کہ بھرّائے ہوئے دل و دماغ سے سوچتے سوچتے کب آنسوؤں اور رُخساروں کا تال میل ہوا۔ گھور اندھیرے میں آسمان پر جگر جگر کرتے تاروں نے ان کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی اور بے اختیار ان کے دل سے صدا آئی۔ وہ دن دور نہیں کہ دین کی روشنی عمل کی طاقت کے ساتھ سب کے دل منوّر کردے اور پھر کون سا مسلمان ہوگا جو حقوق العباد میں اتنی بڑی کوتاہی کرے اور پھر ہمارا معاشرہ بھی ان شاءاللہ! ایسا ہی دَمکے گا جیسا کہ تاریک رات میں یہ چمکتے ستارے۔۔۔۔

کانچ

ماویم زاہدہ

میں کئی برس بعد اس کے گھر گئی۔ اپنے گھر کو وہ زندگی کہتا تھا۔ اس کا پورا گھر کانچ سے سجا ہوا تھا۔

درحقیقت وہ کانچ کو ہی زندگی کہتا تھا۔ اس کا بس چلتا وہ پوری دنیا ہی کانچ کی بنا دیتا۔ پر اس بار اس کا گھر دیکھ کر میں دنگ رہ گئی۔ میرے چہرے کے زاویوں سے سمجھ گیا تھا وہ اور کہنے لگا۔ "سب بدل گیا ہے نا!"

واقعی سب بدل گیا تھا۔ اس کے گھر میں کہیں بھی کانچ نہیں تھا۔ گویا اس کی زندگی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں تجسّس سے اس سے پوچھنا چاہتی تھی۔ پر اتنے عرصے بعد اسے اتنا بدلا دیکھ کے خاموش ہو گئی۔

وہ میرے تجسّس کو سمجھتا تھا۔ کہنے لگا: جو تم ڈھونڈ رہی ہو، تمہارے سامنے ہی تو ہے۔

"کہاں؟" میں اپنے تجسّس میں اس کی بات سننے رک گئی۔

کہنے لگا: میں جتنا اس کانچ کے قریب رہتا، میں اس میں اپنا آپ دیکھتا۔ میں بھی تو ایسا ہی ہوں یا شاید ہم سب ایسے ہیں۔ کانچ جیسے!

ہمارے دل بالکل کانچ سے نازک ہوتے ہیں، ذرا سی لاپروائی پر ٹوٹ جاتے ہیں اور ہماری زبان بالکل ٹوٹے ہوئے کانچ سی ہی تو ہے کسی کو بھی مار ڈالے۔

اور ہماری آنکھیں جو سب دیکھتی ہیں اور خود میں قید کر لیتی ہیں، جن میں کوئی بھی اپنا عکس دیکھ سکتا ہے لیکن پھر بھی کوئی ان کو گہرائی تک نہیں دیکھتا۔

میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنے آپ کو کانچ سمجھنے لگا تھا۔ مجھے لگتا تھا میرے گھر میں موجود کانچ کی ہر چیز مجھ پر ہنس رہی ہے۔۔۔ کہ دیکھو! انسان کی شکل میں یہ بھی چلتا پھرتا کانچ ہے۔ جو خود کی پروا نہیں کرتا اور ہمیں زندگی کہتا ہے۔

جانتی ہو میں روز بہ روز پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی چیختا تو کبھی اپنے گھر میں لگے کانچ کو دیکھتا رہتا۔

اور بالکل ویسا ہوتا جا رہا تھا۔ خاموش، جس میں سب قید ہو جائے اور ٹوٹ جانے پر کسی کو بھی مار دے۔ مجھے اپنے کانچ کے ہونے سے خوف آنے لگا تھا۔ میں ہر جگہ خود کو دیکھ کر اندر سے مرنے لگا تھا اور میں نے اس موت سے بچنے کے لیے اپنی زندگی کو گھر سے باہر نکال دیا اور کرتا بھی کیا مجھے اس میں اپنا آپ نظر آتا تھا اور خود سے خوف۔

میں اب بھی اندر سے ٹوٹا ہوا اور اتنا ہی خطرناک ہوں کہ کسی کو مار دوں پر اب مجھے اپنا آپ دکھانے کے لیے کانچ نہیں ہے۔

میں اس کی بات خاموشی سے سنتی رہی اور اس کی کانچ سی آنکھوں میں موجود اپنا عکس دیکھنے لگی۔

یقین کا سفر

ایشاء گل

"یہ کیسی زندگی ہے۔۔۔؟ نہ کھانے کو روٹی ہے، نہ پینے کو پانی، نہ پہننے کو لباس، نہ رہنے کو مکان، کوئی مددگار، کوئی ساتھ نہیں ہے۔ ایسی ذلت بھری زندگی سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔۔۔"

وہ بیٹھا یہی سب کہہ رہا تھا جب قریب ہی کہیں سے آواز آئی۔

"کیوں مایوس ہوتا ہے، بندے کیوں ناشکری کرتا ہے۔ وہ میرا رب کوئی بھی چیز یا انسان بے مقصد اور بے کار پیدا نہیں کرتا۔ وہ جب اسے اس دنیا میں لاتا ہے تو پھر اسے پالتا بھی ہے۔ اور اگر تو نے ناشکری کی تو جان لے اس نے تجھ جیسے بہت سے لوگوں کو پالا اور پھر مار ڈالا، اس نے تجھے اس کی قدرت کے حسین نظاروں کو دیکھنے کے لیے یہ آنکھیں دیں، اس کے حکم اور دلکش آوازوں کو سننے کے لیے کان دیے۔۔۔ اپنے اور دوسروں کے حق میں لڑنے کے لیے زبان دی۔ اپنے بل بوتے پر کچھ کر دکھانے اور کھڑے ہونے کے لیے ٹانگیں اور پاؤں دیے۔ تجھے کھانے کے لیے کمانے کے لیے ہاتھ دیے، جو ہر کسی کے پاس نہیں تو پھر تو کس بات کی ناشکری کرتا ہے۔۔۔"

اس نے مڑ کر دیکھا، یہ وہی بزرگ بابا تھے، جو پیوند لگے کپڑے پہنے پرانے اور بوسیدہ جوتوں میں اکثر اسے نظر آتے تھے۔ کسی نے انہیں شکوہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ان کا ایک ہاتھ بھی نہیں تھا اور ایک آنکھ بھی کسی حادثے میں ضائع ہو گئی تھی، مگر پھر بھی وہ اپنی زندگی سے کس قدر مطمئن نظر آتے تھے۔

"یہ بابا جی بہ ظاہر کیسے برے حال میں رہتے ہیں، پھر بھی ہر وقت ان کی زبان پہ شکر الٰہی رہتا ہے اور میں ایک مکمل نوجوان، صحت مند، روزانہ کم از کم ایک وقت تو کھانا مل ہی جاتا ہے۔ لباس بھی مکمل ہے پاؤں میں جوتے بھی اچھے ہیں پھر بھی ہر وقت زبان پہ شکایات رہتی ہیں۔۔۔"

وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے سنا بابا جی کہہ رہے تھے۔

"تب رزق بھی بے حساب ہوتا ہے۔۔۔
لباس عمدہ، رہنے کو مکان ہوتا ہے۔۔۔
اپنا پھر سارا جہاں ہوتا ہے۔۔۔
جب یقین کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔۔۔
کیا تو نے سنا نہیں بندے!
جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے۔۔"

بابا جی تو یہ کہتے ہوئے چل دیے اور اسے گہری سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن کر گئے۔

"ہاں واقعی میں، میں کیسے بھول گیا کہ جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا خدا ہوتا ہے اور جس کا خدا ہوتا ہے، اسے دنیا کی چیزوں سے کیا غرض۔"

اسی وقت اسے آواز سنائی دی

"حی علی الصلوۃ۔۔۔ آؤ نماز کی طرف۔۔۔"

وہ اٹھا اور مسجد کی طرف قدم بڑھا دیے۔ جب وہ خدا کے سامنے جھکا تو ڈھیروں اشکوں کی لڑیاں اس کی آنکھوں سے ٹوٹنے لگیں۔

"اسے قرآن کی آیت کا مفہوم یاد آنے لگا جو وہ کئی بار سن چکا تھا:

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور ناشکری مت کرو" "اور اے ایمان والو نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو بیشک اللّٰہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔۔۔"

اس نے سجدے سے سر اٹھایا اور افق کی جانب دیکھ کر ہاتھ پھیلا لیے۔۔۔

یقین کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔۔۔

جُنید امین

جُنید امین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

جگنو ہوں میں

قرۃ العین خرم ہاشمی

بلبل بی بی کے تینوں ننّھے منّے بچے، کافی دیر سے گھنی جھاڑیوں میں کھیل رہے تھے۔ بلبل بی بی نے اونچے اور گھنے درخت کی مضبوط شاخ پر بنے چھوٹے سے آشیانے کی کھڑکی میں سے سر نکال کر باہر جھانکا اور انھیں آواز دی، مگر کھیل کود میں مگن بچے ہر بار تھوڑی دیر اور کہہ کر کھیلنے لگتے۔

"آج ان کی خیر نہیں۔ ماں کی بات ماسنتے ہی نہیں ہیں۔ پتا بھی ہے کہ میں نے کام پہ جانا ہے اور شام ہونے سے پہلے واپس لوٹنا ہے۔۔۔ مگر"

بلبل بی بی بڑبڑاتی ہوئی اپنے گھر سے باہر نکلی اور تیزی سے اڑ کر جھاڑیوں کے پاس آئی۔ بلبل بی بی دبے قدموں سے چلتی، جھاڑیوں کے اندر داخل ہوئی۔ تھوڑا آگے گھنی جھاڑیوں کے درمیان میں مٹی کا ایک دائرہ بنا ہوا تھا، جیسے میدان ہو۔ بلبل بی بی کے تینوں بچے، ننّھے منّے جگنوؤں کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھے۔ کبھی کوئی کسی کے پیچھے بھاگ رہا تھا، کبھی کوئی اڑ کر جھاڑی میں چھپ جاتا۔ ان کی معصوم ہنسی کی آواز چاروں طرف گونج رہی تھی۔ اچانک جگنو منّے کی نظر بلبل بی بی پر پڑی تو وہ فوراً رُک گیا۔ اسے رکتا دیکھ کر بلبل بی بی کے بچے بھی رُک گئے۔

"امی!" تینوں بچوں نے پریشانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بلبل بی بی غصے سے انھیں گھور رہی تھی۔

"تم سب پھر، ان نکمّے اور چھوٹے کیڑوں کے ساتھ کھیل رہے ہو؟ خود تو انھوں نے ساری رات جاگ کر چمکنا ہوتا ہے، مگر ہم پرندے تو دن کی روشنی میں اپنا کام ختم کرتے ہیں۔" بلبل بی بی نے غصے سے جگنوؤں کو گھورا۔

"مگر ہم نکمّے نہیں ہیں۔" جگنو منّے نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! سب پتا ہے کہ کتنے کام کے ہو۔"

بلبل بی بی جگنو منّے کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھا تھا۔ جگنوؤں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے گھنی جھاڑیوں میں گم ہو گئے۔

"امی! آپ نے ہمارے دوستوں کو ناراض کر دیا ہے۔" بلبل بی بی کے بچے نے اداسی سے کہا۔

"دوستی ہمیشہ اپنے جیسوں میں کرنی چاہیے۔ ایک معمولی کیڑے سے کیسی دوستی۔"

بلبل بی بی نے تینوں بچوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور وہ چاروں پُھر سے اڑ کر اپنے آشیانے میں پہنچ گئے۔

"بلبل آنٹی ہمیشہ ہمارے ساتھ ایسا کرتی ہیں۔" گھر پہنچ کر جگنو منّے نے اپنی ماں کے سامنے منہ بنا کر کہا۔

"کتنی بار سمجھایا ہے کہ وہ ہمارے پڑوسی ہیں۔ ہمیں ان کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے۔ تم کیوں دن کے وقت وہاں گئے تھے۔" جگنو کی امی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر امی! کیا ہم سب بچے مل کر کھیلیں بھی نہیں؟ آپ تو بتاتی ہیں کہ بلبل آنٹی کے خاندان پر ہمارا بہت احسان رہا ہے۔"

جگنو منّے نے علّامہ اقبال کی مشہور زمانہ نظم "ہمدردی" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

"تو اور کیا۔ اس واقعہ پر کیا ہی عمدہ نظم اپنے اقبال نے لکھی ہے کہ۔۔۔

"ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا۔۔!"

جگنو امی نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے سریلی آواز میں نظم گنگنائی۔

"کاش! اس بلبل کو وہاں ہی اداس بیٹھا رہنے دیتے۔" جگنو منّے نے چڑ کر کہا تو جگنو امی نے اسے گھورا۔

"کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا، کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا، اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل۔۔!"

جگنو امی نے مسکرا کر جگنو منّے کی طرف دیکھا، مگر اس کے چہرے پر بےزاری تھی۔

"میں اگر اس وقت وہاں ہوتا تو کبھی ان کی مدد نہ کرتا۔" جگنو منّے نے ناگواری سے کہا۔

"ایسا نہیں کہتے کیوں کہ"

"ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے، آتے ہیں جو کام دوسروں کے۔۔!"

جگنو امی نے مسکرا کر کہا تو جگنو منّا تیزی سے اڑ کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں چلا گیا۔

"لگتا ہے آج طوفان آئے گا۔" جگنو امی نے بادلوں کی گرجتی آواز سن کر فکر مندی سے کہا۔ کچھ دیر کے بعد تیز آندھی کے بعد، تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ جگنو امی، اپنے سب بچوں کے ساتھ کھڑکی میں سے، برستی بارش دیکھ رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد بارش رک گئی تو جگنو ابو بھی گھر سے نکلنے کے لیے تیار ہو گئے۔

"آج واپسی میں دیر ہو جائے گی۔" جگنو ابو نے مسکرا کر کہا۔

"آج جانا ضروری ہے؟ موسم خراب ہے۔" جگنو امی نے فکر مندی سے کہا۔

"اپنے بچوں کے لیے خوراک جمع کرنا میری ذمے داری ہے۔ میں جلدی آ جاؤں گا۔" جگنو ابو نے اپنے بچوں کو پیار کیا اور چمکتے، بجھتے وہاں سے اڑ گئے۔ جگنو ابو کو گئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی، جب بلبل بی بی کے آشیانے سے تینوں بچوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اللہ خیر کرے! میں دیکھ کر آتی ہوں۔" جگنو امی نے جلدی سے کہا تو جگنو منّا بھی امی کے ساتھ چلے گئے۔ باقی دونوں بہن بھائی گھر پر تھے۔ جگنو امی اور جگنو منّا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے آشیانے کا دروازہ باہر سے بند تھا اور بچے اندر بند تھے۔ بچوں نے کھڑکی سے مدد کے لیے انھیں پکارا تھا۔ جگنو امی نے جلدی سے دروازہ کھولا تو بلبل بی بی کے بچے فوراً

بقیہ صفحہ 34 پر

گھر کی مرغی دال برابر

ڈاکٹر الماس روحی

ہم پر تم پر ہے اللہ کے کرم کا سایہ
اللہ کے پیارے پیارے نام کی ہے چھایہ

فقیر دروازے پر کھڑا صدا لگا رہا تھا۔ سویرے سویرے ماریہ صحن میں دادی جان کے تخت پر بیٹھی موتیے کے پھولوں سے ہار بنا رہی تھی۔ دادی جان مصلّے پر وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ شہد کی مکھی گلاب کے پھولوں سے رس چوس رہی تھی، کیاری میں تتلیاں پھولوں پر منڈلا رہی تھیں۔ ماریہ نے ہار بنا کر دادی جان کے پاس رکھ دیا اور باقی پھولوں کا گل دستہ بنا کر میز پر رکھ دیا۔ امی جان نے ناشتا بنا کر میز پر رکھا اور گل دستہ دیکھتے ہوئے اسے شاباش دی, امی نے فقیر کو دینے کے لیے پیسے دیے، فقیر نے ماریہ کو دعا دی۔

احمد اور انور ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ دونوں اسکول کا یونیفارم پہنے ناشتا کر رہے تھے، یہ دونوں ماریہ کے بھائی تھے۔ وہ آج بہت خوش تھے۔ بقر عید جو قریب تھی۔ عید سے کافی دن پہلے محلے کے لوگ جانور گھر لے آئے تھے۔ آج شام وہ بھی منڈی جا رہے تھے۔ سب کے گھروں کے آگے چھوٹے بڑے جانور بندھے ہوئے تھے۔ بھیڑ، گائے، بکرے دیکھ دیکھ کر بچے خوش ہو رہے تھے۔ وہ اسکول جاتے ہوئے گھروں کے راستے میں بندھے بھیڑ بکروں کو دیکھ رہے تھے۔ "جلدی سے شام ہو جائے تو ہم سب منڈی جائیں گے کتنا مزہ آئے گا۔" ماریہ مدرسے سے گھر آئی۔ اپنے مدرسے کی وردی تبدیل کر کے اپنے اور اپنے بھائیوں کے یونیفارم میلے کپڑوں کی ٹوکری میں رکھے۔ پلنگ پر کپڑے رکھے تھے۔ دھوبی کپڑے دھو کر لایا تھا۔ اس نے جلدی سے الماری میں رکھے۔ انور کی کتابیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جلدی میں ہوم ورک کر کے کھیلنے باہر نکل گیا۔ امی نے فوراً کتابیں ترتیب سے رکھیں۔ ابو ظہر کی نماز پڑھ کر دفتر سے ذرا جلدی آ گئے تھے۔ آج بکرا جو لانا تھا۔ دوپہر میں کھانا کھاتے ہوئے احمد اور انور پُر جوش تھے۔ ماریہ نے بکرے کا نام بھی سوچ لیا تھا۔ اس کا نام ہم "بھولو" رکھیں گے۔ سب کو نام بڑا پسند آیا تھا۔ منڈی میں بچوں کو بھانت بھانت کے جانور دیکھنے کو ملے تھے، جو طرح طرح کی آوازیں نکال رہے تھے۔ رات ان کے گھر بکرا آ چکا تھا۔ یہ اور بکروں سے ذرا الگ تھلگ تھا۔ یہ کابلی بکرا کہلاتا تھا۔ نسلی اعتبار سے مصری تھا۔ بکرا منڈی میں بکرے بیچنے والے چاچا جی نے بچوں کو یہی بتایا تھا۔ یہ سفید و سیاہ بال والا بکرا تھا۔ اس کی گردن، سینے اور نچلی ٹانگوں پر زیادہ لمبے بال تھے۔ اس کے سینگ لمبے لمبے اور ٹیڑھے میڑھے تھے، چھوٹی سی داڑھی بھی تھی۔ ماریہ بکرے کو پیار کرتے ہوئے بولی۔ "ہمارا بکرا تو بکروں کا دادا جی لگ رہا ہے۔"

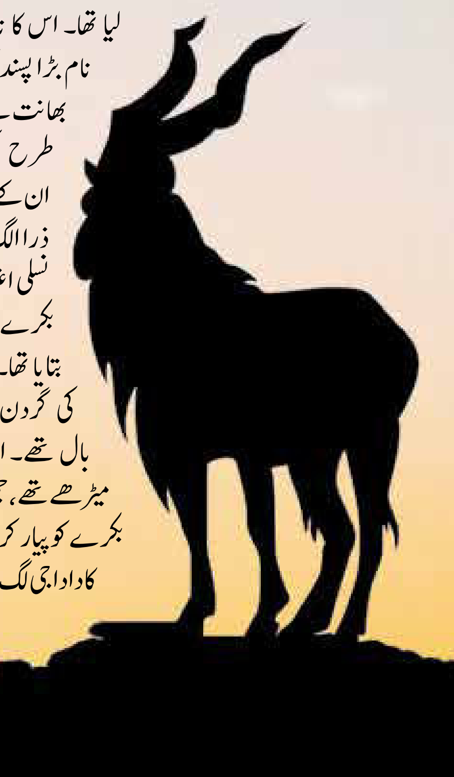

یہ جنگلی بکرا تھا، لیکن بچوں کا پیار دیکھ کر ادب سے کھڑا تھا۔ بکرے نے ماریہ کی بات سن کر بڑی سی "میں" کی آواز نکالی، جیسے کہہ رہا ہو "ہاں میں ہوں بکروں کا دادا جی۔" احمد نے اس بکرے کے گلے میں گھنٹی بھی ڈال دی تھی۔ بکرے کے ہلنے سے گھنٹی ٹنگ ٹنگ ہلتی تھی۔ بھولو کو اس کی ٹنگ ٹنگ بہت اچھی لگی اب تو بھولو خوب سر ہلا رہا تھا، سب بچے خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔ جیسے بھولو انھیں اپنا کرتب دکھا رہا ہو۔ ماریہ کی سہیلی زوبیہ بہت کتابیں پڑھتی تھی، اس نے بکرا جو دیکھا تو بولی: "یہ تو ہمارے قومی جانور مارخور سے ملتا ہے۔" احمد فوراً پوچھنے لگا۔ زوبیہ باجی ہم سمجھے نہیں "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" "بھئی جس طرح ہمارا قومی کھیل ہاکی ہے، قومی پھول چنبیلی ہے، اس طرح مارخور پاکستان کا قومی جانور ہے۔" اب تو ماریہ احمد اور انور کو فکر ہو گئی، یہ بکرا نہیں مارخور ہے، شاید ہم غلط بکرا لے آئے۔

دادی جان ان کی پریشانی بھانپ گئیں۔ اپنا دل خراب نہیں کریں، یہ تو اپنی مرغی دال برابر والی بات ہو گئی۔ اطمینان رکھو! یہ بکرا ہی ہے، اس کی قربانی ہو جائے گی۔

تھوڑی دیر میں ماریہ کے ابو گھاس پھوس اور چارہ بکرے کے لیے خرید لائے۔ انور، ماریہ اور احمد نے اپنی پریشانی ابو کو بتائی تو ابو مسکرا دیے۔ "یہ مارخور نہیں مارخور جیسا ہے۔ اس کی نسل سے الگ ہے اور بکرا ہے۔۔۔ پاکستان میں مارخور چترال، وادی کیلاش وادی نیلم میں پائے جاتے ہیں۔" اب ماریہ کو یاد آ گیا، وہ جب چھوٹی تھی، اپنے ابو امی کے ساتھ گھومنے چترال گئی تھی، وہاں اس نے ایک بڑا سا بکرا دیکھا جس کے گھنے بال تھے۔ ٹیڑھے میڑھے سینگوں والا۔ ابو نے بتایا: "مارخور کی خوراک موسم کے ساتھ تبدیل ہوتی ہے۔ موسم گرما اور بہار میں یہ گھاس چرتے ہیں جب کہ سردیوں میں یہ درختوں کے پتے کھاتے ہیں۔ یہ ریوڑ کی شکل میں رہتے ہیں۔"

"لیکن اسے مارخور کیوں کہتے ہیں؟"

"ہاں مارخور کا نام تھوڑا عجیب ہے، فارسی زبان میں مار کے معنی سانپ اور خور سے مراد کھانے والا ہے، جب کہ یہ سانپ نہیں کھاتا بس نام رکھ دیا گیا ہے۔"

"ماریہ کو تو بھولو بہت پسند آیا، کچھ بھی ہے، ان کا بکرا سب سے الگ اور منفرد تھا۔ ماریہ بولی دادی اماں یہی کہتی ہیں اپنا بکرا سب سے تگڑا ہے۔ ہمیں اپنی مرغی کو دال برابر نہیں سمجھنا چاہیے۔" اس نے کہا۔

وہ صبح سویرے یا سہ پہر کے وقت سر ہلاتا گھنٹی کی ٹنگ ٹنگ سے انور اور احمد سمجھ جاتے بکرا باہر جانا چاہتا ہے۔ انور رسی پکڑ کر اسے چرنے پھرنے لے جاتا۔ بچے انور اور احمد کے بکرے کا مذاق اڑاتے اور اس کے سینگ دیکھتے ہیں۔ "موصوف بکرا کم بارہ سنگا کا قریبی رشتے دار زیادہ لگتا ہے۔" احمد نے زید کو سمجھایا قربانی کے جانور کا مذاق اڑانا اور برا بھلا کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ زید شرمندہ ہو گیا۔ اگلی صبح آسمان پر کالے کالے بادل گرج رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد تیز بارش ہونے لگی اور کئی دنوں تک ہوتی رہی، پھول خوشی سے مسکرا رہے تھے۔ بھنوروں کی بھنبھناہٹ شروع ہو چکی تھی۔ ایسے میں بھولو نے ٹنگ ٹنگ کا شور کیا اور سر ہلانے لگا۔ موسم خوش گوار ہو چکا تھا۔ وہ بھی باہر کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ انور اور احمد بکرے کو لے کر باہر نکلے۔ انور نے رسی پکڑتے ہوئے تھی۔ اچانک فرخ کی گائے نے بکرے کو زور سے ٹکر ماری۔ بچوں نے بھولو کو گرتے گرتے سنبھالا اور اس نے سر جھکا کر گائے کی طرف دوڑ لگا دی۔ انور کے ہاتھ سے رسی چھوٹ چکی تھی۔ فرخ کی گائے بدک کر رسی توڑ کر بھاگنے لگی۔ ہر طرف شور تھا۔ گلی میں بچے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اتفاق سے انور کے ماموں جان وہاں پہنچے اور

انھوں نے بکرے کی رسی پکڑ کر قابو کیا۔ گھر لا کر بکرا باندھا اور انور اور احمد سہمے ہوئے کھڑے تھے تو انھیں سمجھایا: "بیٹا! آج بہت بڑا نقصان ہو جاتا، بکرا گائے کو مارنے میں کام یاب ہو جاتا تو وہ زخمی ہو جاتی، پلٹ کر اگر گائے مارتی اور بکرے کے سینگ یا دانت ٹوٹ جاتا تو قربانی کیسے ہوتی؟ دونوں جانوروں کو تکلیف اٹھانا پڑتی، جو جانوروں پر رحم کرتے ہیں، اس کا خیال رکھتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں، وہ دعا کرتا ہے۔ اللہ اپنے بندے پر بھی رحم کرتے ہیں۔ دونوں بھائی شرمندہ ہوئے۔ ماموں جان بکرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرائے۔ "خیال رکھو یہ پہاڑی بکرا ہے۔ کسی اور بکرے کے اتنے بڑے اور چوڑے سینگ ہوتے ہیں، بھلا!!" انھوں نے اس کے سینگ پکڑ کر پوچھا۔ احمد اور انور نے نفی میں گردن ہلائی۔ یہ جسم پر لمبے لمبے بال کتنے خوب صورت ہیں۔ ایسے بکرے شمالی علاقوں کی طرف برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں پر پائے جاتے ہیں۔ ماریہ بولی: "جی ماموں جان ہمیں معلوم ہے، یہ مارخور ہوتے ہیں جو ہمارا قومی جانور ہے۔"

"ہاں ماریہ! آپ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ بکرے صبح سویرے خوراک کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ پھول، گھاس پھوس اور جھاڑیاں اس کی خوراک ہیں۔ یہ بڑا سیدھا اور معصوم جانور ہے، مگر بہادر بھی ہے، اگر سانپ سے اس کی مڈھ بھیڑ ہو جائے تو اسے پاؤں مار کر اس کا سر کچل دیتا ہے۔ اس کا شکار بہت کیا جاتا ہے۔" "مگر لوگ اسی کی شکار کیوں کرتے ہیں ماموں جان؟"

"لوگ اس کے گوشت کے لیے شکار کرتے ہیں۔ یہ پہاڑوں کی اگنے والی جڑی بوٹیاں کھاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے گوشت میں طاقت ہوتی ہے۔" احمد اُداسی سے بولا: "کتنا پیارا بکرا ہے۔ تین دن بعد یہ کٹ جائے گا۔" ماموں نے احمد کو پاس بلا کر سمجھایا۔ "اس میں اداس ہونے والی کیا بات ہے۔ اسے قربانی کہتے ہیں، جو خوشی سے اللہ کی رضا کے لیے قربانی کرتا ہے، اللہ پاک اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت پیارے بیٹے تھے۔ جب آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ کا حکم ہوا، اپنے عزیز ترین چیز کو اللہ کی راہ میں دے دو۔ وہ انھیں بہت پیارے تھے، یہ خواب جب بیٹے نے سنا تو وہ قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر اللہ کے حکم سے بیٹے کی جگہ مینڈھا ر کھا گیا۔ آج ہم اسی سچے جذبے کی یاد میں یہ قربانی کرتے ہیں۔ اس لیے جاؤ، خوشی خوشی اسے گھاس کھلاؤ۔ یہ کل قربان کر دیا جائے گا۔

دوسرے روز قربانی ہو چکی تھی، پہاڑی بکرے کا گوشت واقعی لذیذ تھا۔

مشکل الفاظ کے معانی

گھر کی مرغی دال برابر۔ اپنی قیمتی چیز کی قدر نہ کرنا

مصلے۔ نماز کی جگہ   منڈلانا۔ گھومنا   رضا۔ خوشی

بقیہ

میں جگنو ہوں

باہر نکل آئے اور جگنوامی کو دیکھ کر رونے لگے۔

"بچو! آپ کی امی ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں؟" جگنوامی نے فکر مندی سے سوال کیا، کیوں کہ جگنوامی جانتی تھیں کہ بلبل بی بی کام پر جانے سے پہلے تینوں بچوں کو گھر کے اندر بند کر جاتی تھیں اور واپس آ کر دروازہ کھولتی۔ بلبل بی بی کے شوہر کو کچھ عرصہ پہلے، سانپ نے ہڑپ کر لیا تھا۔ تب سے بلبل بی بی، اکیلے ہی اپنے بچوں کو پال رہی تھی۔

"امی آج ہماری وجہ سے دیر سے کام پر گئیں۔ ان کے جاتے ہی اچانک گھنے بادل چھا گئے۔ تیز آندھی اور بارش کی وجہ سے وہ راستے میں کہیں رک گئیں ہوں گی، مگر اب اتنی رات کو کیسے گھر آئیں گی؟" بچوں نے روتے ہوئے کہا تو جگنو منّا اپنے دوستوں کو تسلی دینے لگا۔

"میں آپ سب بچوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی ہوں، کیوں کہ اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ، مجھے آپ تینوں کی حفاظت بھی کرنی ہے۔"

جگنوامی نے پریشانی سے کہا۔

"میں بلبل آنٹی کو ڈھونڈنے جاؤں گا۔" اچانک جگنو منّے نے کہا تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم جاؤ گے؟" جگنوامی نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی! اس لیے کہ میں جگنو ہوں۔ راستہ دکھانے والا، روشنی کرنے والا۔" جگنو منّے نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"مگر تم تو۔۔!" جگنوامی کچھ کہتے ہوئے رک گئیں۔

"امی! جس طرح میرے ابو طوفان کی پروانہ کرکے ہمارے لیے خوراک لینے گئے ہیں، اسی طرح بلبل آنٹی بھی اپنے بچوں کے لیے خوراک لینے گئی ہیں۔ ویسے بھی اپنے اقبال نے ہی تو فرمایا ہے کہ "ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے آتے ہیں جو کام دوسروں کے۔"

جگنو منّے نے کہا اور پھر وہاں سے فوراً اُڑ گیا۔ اسے وادی کے راستوں کا علم تھا کیوں کہ ایک جگنو کا کام ہی اندھیرے میں چمک کر، ویران راستوں کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ کچھ دور جاتے ہی ایک شاخ پر تنہا بیٹھی، اپنے رب سے گھپ اندھیرے میں مدد کی دعا کرتی، بلبل بی بی کو جگنو منّے نظر آ گئے تو وہ فوراً اُڑ کر اس کے پاس پہنچی اور اسے گلے سے لگا لیا۔ جگنو منّا، بلبل بی بی کی اتنی محبت اور گرم جوشی پر گھبرا گیا۔

"مجھے یقین تھا کہ اپنے خاندان کی روایت کے برقرار رکھتے ہوئے، تم مجھے ڈھونڈنے ضرور آؤ گے۔ شکریہ پیارے جگنو۔۔!"

بلبل بی بی نے مسکرا کر کہا تو جگنو منّا مسکرا کر ان کے آگے اُڑنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔ بچے ماں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ماں سے لپٹ گئے۔ جگنوامی نے فخریہ انداز میں اپنے ہونہار اور بہادر بیٹے کی طرف دیکھا تھا، جس کے خون میں اپنی روایت اور پاس داری کا احساس پوری طرح زندہ تھا۔ بلبل بی بی نے اپنے برے رویے کی معافی مانگی۔ جگنوؤں کو حقیر سمجھنے والی بلبل بی بی کو، اس مشکل وقت میں احساس ہوا کہ اللہ کی بنائی کوئی چیز بےکار اور معمولی نہیں ہے۔

میں جنت جاؤں گا

ام محمد عبداللہ

"امی امی جی! "کاشف کھیلتے کھیلتے گر گیا تھا۔ گھٹنے پر چوٹ لگ گئی تھی اور خون بھی نکل آیا تھا۔ امی جی نے دیکھا تو زخم صاف کر کے مرہم پٹی کرنے لگیں۔ کاشف مسلسل ہائے ہائے کرتا جا رہا تھا۔ "بس کرو کاشف بیٹے! یہ دنیا ہے یہاں تو انسان گرتا بھی ہے اور چوٹ بھی لگتی ہے، البتہ جنت میں جتنا چاہو کھیلنا، نہ گرو گے نہ چوٹ لگے گی۔" "جنت! جنت تو بہت خوب صورت ہو گی نا امی جان! جنت کی کھجوروں کے تنے سبز زمرد کے ہوں گے اور ٹہنیوں کی جڑیں سرخ سونے کی ہوں گی۔ اس کا پھل مٹکے کے برابر ہو گا جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شریں اور مکھن سے زیادہ نرم ہو گا، مگر جنت جائیں کیسے؟" امی جان کے سمجھانے پر کھجوروں کے شوقین کاشف کی توجہ چوٹ سے ہٹ کر جنت کی جانب چلی گئی تھی۔

"ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لا الہ الا اللہ کہے گا، وہ جنت میں جائے گا۔" کرن جو قریب ہی بیٹھی تھی کاشف کی بات سن کر بولی۔

"شاباش کرن بیٹی! دادی جان بھی کمرے میں موجود تھیں اور کرن کے حدیث بیان کرنے پر بہت خوش ہوئیں۔"

"یہ تو آسان ہے۔" کاشف پڑھنے لگا "لا الہ الا اللہ"

=============

"لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوں
میں جنت جاؤں گا
کبھی نہ چوٹ لگے گی
شہد، کھجوریں کھاؤں گا"

کاشف قالین پر بیٹھا بلاکس کے ساتھ کھیلتے ہوئے اپنی تازہ ترین نظم گنگنا رہا تھا کہ بابا جانی کمرے میں داخل ہوئے اور مسکراتے ہوئے کاشف سے پوچھنے لگے۔

"اچھا بھائی لا الہ الا اللہ کا مطلب تو بتایئے" "اس کا مطلب ہے اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔" کاشف نے جھٹ سے ترجمہ سنایا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"بابا جانی الہ کا کیا مطلب ہے؟" "کوئی الہ نہیں سوائے اللہ کہ یعنی صرف اللہ ہی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہان کا مالک و حاکم ہے۔ تمام چیزیں اس کی محتاج اور اس سے مدد مانگنے پر مجبور ہیں۔ ہم اسے نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی ہماری عقل اس کی قدرت اور طاقت کا اندازہ لگا سکتی ہے۔" بابا جانی نے تفصیلاً جواب دیا۔

بابا جانی آخر اس کلمے میں ایسی کون سی بات ہے جو اس کے ماننے والوں کو کام یاب اور نہ ماننے والے کو ناکام و نامراد کر دیتی ہے۔ سلمان کلمے کا مطلب گہرائی میں جاننا چاہتا تھا۔ "جب کوئی بندہ اپنے دل کی آمادگی اور مکمل عقل شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ہر ہر اعتبار سے ہر شے پر اس کی حاکمیت کا اقرار کر لیتا ہے تو اس میں کچھ خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار کرنے والوں اور شرک کرنے والوں میں ہو ہی نہیں سکتیں۔" "اچھا! وہ کیا" سائرہ اور کرن بھی وہیں آن بیٹھی تھیں۔ "لا الہ الا اللہ کا اعتقاد انسان کے اندر تمام مخلوقات کے لیے محبت کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔ یہ کائنات اس کے لیے ایک اللہ کا تخلیق کردہ کنبہ ہے۔

یہ کلمہ انسان میں خودی کو بیدار کرتا ہے۔ انسان جان لیتا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، پس وہ غیر اللہ کے آگے جھکنے سے بچ جاتا ہے۔ خودی کے ساتھ ساتھ لا الہ الا اللہ پر ایمان انسان میں انکساری پیدا کرتا ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عطا کردہ تمام نعمتیں اور صلاحتیں اس کی اپنی نہیں بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کی عطا کردہ ہیں اور یہ سوچ غرور کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔"

بچے بہت غور سے بابا جانی کی باتیں سن رہے تھے۔

"اس کلمے کو ماننے والا جانتا ہے کہ نیک عمل کے سوا نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لیے وہ نیکیوں کی دوڑ میں آگے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر اسی طرح خدا کو ماننے والا کبھی مایوس نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ بظاہر ناممکن اور مشکل ترین حالات کو اس کا اللہ لمحوں میں آسان کر سکتا ہے۔ پس وہ پر امید رہتے ہوئے اسی کی جانب لپکتا ہے۔ کلمہ پر ایمان رکھنے والا انسان پر عزم اور بہادر ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کی پشت پر زبردست طاقت والا اللہ ہے جو اسے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اسی یقین پر وہ بڑی سے بڑی طاقت اور مشکل کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔

اس کلمے پر ایمان رکھنے والا انسان اللہ کے فیصلوں پر راضی اور دنیاوی شان و شوکت سے بے نیاز ہوتا ہے۔ حسد جیسی بیماریاں اس کے قریب بھی نہیں آتیں۔

سب سے بڑھ کر لا الہ الا اللہ کا اعتقاد انسان کو اللہ کے قانون کا پابند بناتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ البصیر ہے، وہ اسے دیکھ رہا ہے، اس لیے لوگوں میں تو درکنار تنہائی میں بھی لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والا برائی کے قریب نہیں جاتا۔"

بچے بہت انہماک سے بابا جانی کی باتیں سن رہے تھے۔

لا الہ الا اللہ کا مطلب تو مجھے آج سمجھ میں آیا۔ سائرہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا، وہ اس کلمے کی بھاری ذمہ داری اپنے کندھوں پر محسوس کرنے لگی تھی۔

کاشف شہزادے! آپ کو بھی کچھ سمجھ آیا کہ نہیں۔ امی جان نے لاڈ سے کاشف کی ناک کھینچی۔

جی! مجھے سمجھ آیا کہ ہر شے میرے اللہ کی ہے تو مجھے ہر شے کا خیال رکھنا ہے۔
نفع و نقصان کا مالک صرف میرا اللہ ہے تو مجھے کسی کے آگے نہیں جھکنا،
ہر کام یابی اللہ کی دی ہے تو غرور نہیں کرنا،
نیکیوں کی دوڑ میں کرن سے آگے نکلنا ہے۔

"صرف کرن سے ۔۔۔۔" سب ہنسنے لگے تھے، جبکہ کرن نے "آگے نہیں نکلنے دوں گی۔" کا نعرہ لگایا تھا۔ "اچھا اور کیا سمجھ آیا۔" بابا جانی کو اس کا معصوم انداز بہت پیارا لگ رہا تھا۔ "اور ۔۔۔۔ یہ کہ میرا اللہ بہت زبردست طاقت والا ہے، اس لیے مجھے کبھی مایوس نہیں ہونا اور بہت بہادر بننا ہے، مطمئن رہنا ہے، کسی سے حسد نہیں کرنا اور ۔۔۔ اور کاشف سر کھجانے لگا تو کرن بولی۔

اور اپنے اللہ کی ہر بات ماننی ہے کیوں کہ وہ ہمیں ہر حال میں اور ہر جگہ پر دیکھ رہا ہے اور جلد ہی ہماری اپنے اللہ سے ملاقات بھی ہونی ہے۔" "شاباش بچو!! اللہ تعالیٰ آپ سب کو کام یاب فرمائے۔" بابا جانی خوش ہو کر بولے تو کاشف پھر سے گنگنانے لگا۔

میں لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوں
معنی بھی اس کے سمجھتا ہوں
اور اب اس کو عمل میں لاؤں گا
میں تو جنت جاؤں گا، کھجوریں کھاؤں گا

امی جان نے ان شاء اللہ کہا اور کاشف کی شاعری پر سب ہنسنے لگے۔

ابلتا تنور

تماضر ساجد

موسم خوش گوار تھا۔آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔خلاف معمول گلی میں آج خاموشی تھی۔گلی کے نکڑ والے تھڑے پر اسماعیل تایا کا بھتیجا صائم بیٹھا تھا۔سب بچے اس کے گرد جمع تھے۔وہ انھیں کچھ سنا رہا تھا۔اتنے میں شکیل گلی میں داخل ہوا۔وہ صائم سے دو سال بڑا تھا۔بچوں کو بیٹھے دیکھ کر وہ ان کی طرف آ گیا۔کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد اس نے صائم کو کچھ کہا تھا، جس پر صائم کو غصہ آ گیا۔شکیل مسکرا مسکرا کر اسے مزید چڑانے لگا۔آخر صائم بھی کہانی درمیان میں چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔یہ دیکھ کر بچے کہانی پوری کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ان کی آوازوں نے گلی کے سناٹے میں ہلچل سی مچا دی تھی۔شور سن کر اسماعیل تایا نے باہر جھانکا۔

"کیوں لڑ رہے ہو بچو؟"

"تایا جی! ہم صائم سے کہانیاں سن رہے تھے، شکیل آیا تو اس نے صائم کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔اس لیے اب صائم ہمیں کہانی نہیں سنا رہا۔" احمد نے بتایا۔تایا جی صائم کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ روہانسی آواز میں بولا۔

"شکیل کہتا ہے کہ تم جھوٹے قصے سناتے ہو، حالاں کہ میں بالکل سچا واقعہ سنا رہا تھا۔"

"تایا جی! صائم کی کہانی میں تنور سے پانی نکلتا ہے، یہ کہہ رہا تھا کہ یہ کہانی نہیں ہے، سچا واقعہ ہے تو میں نے کہا کہ اصل میں ایسا ہوتا ہی نہیں ہے۔آپ خود بتائیں تایا جی تنور میں سے تو آگ نکلتی ہے، نہ کہ پانی۔"

"آگ تنور سے نہیں، لکڑیوں سے نکلتی ہے بیٹا جی!" تایا نے شگفتہ انداز میں کہا اور صائم کی طرف متوجہ ہوئے۔

"چلو مجھے بھی سناؤ یہ قصہ، پھر میں فیصلہ کروں گا کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا۔" صائم نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔سب بچے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔وہ سنانے لگا:

"اللہ کے ایک نبی تھے، انھوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف تقریباً ہزار سال تک بلایا، لیکن چند لوگوں کے سوا کسی نے ان کی بات نہ مانی۔آخر اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔جب وہ کشتی بنانے لگے تو لوگ ان کا مذاق اڑانے لگے۔وہ کہتے کہ کشتی چلانے کے لیے پانی کہاں سے آئے گا، پھر ایک دن ایک گندا آدمی کشتی پر آیا اور چپکے سے کشتی پر گند کر گیا۔اس کے بعد تو لوگوں نے کشتی کو گویا بیت الخلا ہی بنا لیا۔ساری کشتی گندی ہو گئی۔اس کی انھیں یہ سزا ملی کہ سب لوگوں میں خارش کی بیماری پھیل گئی۔اتنی خارش ہوئی کہ سب کا برا حال ہو گیا۔اس دوران میں کشتی بھی گند سے بھر چکی تھی۔ایک دن ایک بوڑھا آدمی کشتی پر گند کرنے آیا تو اس کا پیر پھسل گیا اور وہ غڑاپ سے کشتی کے اندر گر پڑا۔" صائم کے انداز پر بچے ہنس دیے۔تایا بھی مسکرا دیے اور بولے:

"اور وہ تنور؟"

"وہ بھی آ رہا ہے تایا جی!" صائم نے وضاحت دیتے ہوئے دوبارہ سنانا شروع کیا۔

"لوگوں نے اسے نکالا، اسے نہلایا تو اس کی خارش ختم ہو چکی تھی۔لوگوں نے یہ دیکھا تو سب کشتی کی طرف بھاگے۔سب نے کشتی میں خوب غوطے لگائے۔یہاں تک کہ کشتی کو پانی سے کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا۔کشتی پھر سے صاف ستھری ہو گئی۔پھر نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی پر اپنے ساتھیوں اور جانوروں اور پرندوں کے ایک ایک جوڑے کو ساتھ لیا۔ان کا ایک بیٹا کافر تھا۔انھوں نے اسے بھی بلایا، مگر وہ کہنے لگا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر بچ جاؤں گا۔

پھر تنور سے پانی نکلنا شروع ہو گیا۔بارش بھی ہونے لگی۔سب جگہ پانی پانی ہو گیا، پانی بڑھتا گیا، سب ڈوبتے گئے، پھر پانی پہاڑوں سے بھی اوپر تک چلا گیا۔سب چیزیں پانی میں ڈوب کر تباہ ہو گئیں۔

کشتی کئی دن بعد ایک پہاڑ جس کا نام جودی تھا، پر جا کر رک گئی۔" صائم خاموش ہوا تو تایا جی نے پوچھا۔"اور بھلا ان نبی علیہ السلام کا کیا نام تھا؟"

"حضرت نوح علیہ السلام۔" شرمندہ شرمندہ سے شکیل نے جواب دیا۔وہ پہلے یہ واقعہ سن کر بھلا چکا تھا۔

"تایا جی! پانی تو پھر بہت طاقت ور ہوتا ہے نا! اس نے سب کچھ تباہ کر دیا۔" احمد نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"اونہوں! پانی سے طاقت ور تو میرا صائم ہی ہے جو پانی کو بوتلوں میں ڈال کر آرام سے اٹھا لیتا ہے۔" صائم شرما گیا۔

"بات یہ ہے کہ پانی ہو یا کوئی اور چیز، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی فائدہ یا نقصان پہنچاتی ہے۔انسان جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کبھی پانی کو حکم دیتے ہیں، وہ انسان کو سبق سکھاتا ہے، کبھی ہوا کے ذریعے انسان کو جھنجوڑا جاتا ہے، کبھی زلزلے آتے ہیں۔" تایا جی یاسیت سے بولے۔سب بچے غور سے ان کی بات سن رہے تھے۔

اتنے میں بارش شروع ہو گئی۔

بچے بارش میں کھیلنے کے لیے لپکے اور تایا جی بھی گھر کی طرف چل دیے۔

یتیموں کا سائبان

بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

Address:

Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

+92 333 4632340

+92 021 35290156

ایک کہانی ایک جانور

راج ہنس

فوزیہ خلیل

عکاشہ آج اپنے ابو اور بھائیوں کے ساتھ ایک سائنس ایگزیبیشن میں گیا ہوا تھا۔ عکاشہ کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ یہاں پر بہت سی چیزیں ایسی تھیں جو عکاشہ اپنی سائنس کی کتاب میں پڑھ چکا تھا اور ایسی بھی بہت سی چیزیں تھیں جو اُس کو معلوم نہ تھیں۔ وہاں گھومنے پھرنے اور معلومات حاصل کرنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔

کنارے پر ایک جنگل بنایا گیا تھا۔ نقلی پتوں اور ٹہنیوں سے وہ جنگل بالکل حقیقی جنگل دِکھائی دے رہا تھا۔ جنگلی اور آبی حیات کا تصوّر بہترین طریقے سے واضح کیا گیا تھا۔ عکاشہ وہاں رک کر غور سے جانوروں کو دیکھنے لگا۔

وہاں بہت سے پرندے بھی تھے۔ عکاشہ کو ایک پرندہ بہت پسند آیا۔ اسے روئی سے بنایا گیا تھا۔ اس کا رنگ سفید چونچ چپٹی اور گردن لمبی تھی۔ اس کے پاس مچھلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مچھلیاں کھا رہا ہو۔ قریب ہی نرم ٹہنیوں سے اُس پرندے کا گھونسلا بھی بنایا گیا تھا۔ اُس کی چپٹی چونچ کالے اور پیلے رنگ کی تھی۔

عکاشہ وہاں سے پلٹ کر اپنے ابو کے پاس چلا آیا اور جلدی جلدی اُس پرندے کے بارے میں بتانے لگا۔

"وہ کون سا پرندہ ہے بھلا؟" تمام خواص بتا کر وہ بے چینی سے پوچھنے لگا۔ "ہاہاہا۔ راج ہنس۔ وہ راج ہنس ہی ہوگا۔" خزیمہ بھائی نے جلدی سے کہا۔

"پرانے وقتوں میں راج ہنس کو شاہی پرندہ بھی کہتے تھے۔" مصعب بھائی جلدی سے بولے۔

"شاہی پرندہ۔ وہ کیوں؟" عکاشہ نے حیرت سے پوچھا۔

"شاہی پرندہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اسے بادشاہوں کے لیے شکار کیا جاتا تھا اور پھر بھون کر بادشاہوں کو پیش کیا جاتا تھا۔" مصعب بھائی نے کہا۔

"کیا آج بھی راج ہنس کا گوشت کھایا جاتا ہے؟"

"ہاں آج بھی دنیا کے بہت سے حصوں میں اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔" ابو بولے اور پھر عکاشہ کے ہمراہ اس جنگل کی طرف بڑھ گئے۔

"ابو جان! عام طور پر پرندوں کے دانت نہیں ہوتے، مگر یہاں ہنس کی چونچ میں باریک آری کی طرح دانت دکھائی دے رہے ہیں۔" عکاشہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں بیٹا! قدرت نے راج ہنس کو آری جیسے دانت دیے ہیں، یہ پرندہ مچھلیاں کھاتا ہے تو یہ دانت مچھلیاں کھانے میں اُس کی مدد کرتے ہیں۔ ان کے جسم پر 20 سے 25 ہزار پَر ہوتے ہیں۔ کچھ ممالک میں یہ پَر کپڑے کی سجاوٹ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔" ابو نے بتایا۔

"ابو جان! کیا یہ صرف مچھلیاں ہی کھاتا ہے؟"

"نہیں بیٹا! یہ سبزیاں بھی کھاتا ہے اور مچھلیاں بھی۔ یہ دن بھر میں کئی کلو کھانا کھا جاتا ہے اور اپنے باریک دانتوں سے غذا کو خوب چباتا ہے۔" ابو جان کہہ رہے تھے۔

عکاشہ جھک کر راج ہنس کو دیکھنے لگا۔ قریب ہی اُس کا گھونسلا تھا، اس میں چند انڈے بھی پڑے ہوئے تھے۔ عکاشہ انڈوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

"یہ جب 3 یا 4 سال کے ہو جاتے ہیں تو انڈے دینا شروع کرتے ہیں۔ ایک سال میں 5 یا زائد انڈے دیتے ہیں اور مہینے ڈیڑھ مہینے میں ان انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں۔" ابو جان نے کہا۔

"ان کی ٹانگیں اور پیر بالکل بطخ کی طرح لگ رہے ہیں۔" خزیمہ بھائی نے کہا۔

"ہاں نا! بطخ کی طرح یہ بھی تیرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح کی ٹانگیں اور پر عطا کیے ہیں۔"

"ان کے گھونسلے اچھے لگ رہے ہیں نرم مٹی پر بنے ہوئے۔"

"راج ہنس اپنے گھونسلے پانی کے نزدیک بناتے ہیں۔ درخت کے تنے یا نرم مٹی پر۔ یہ اپنے گھونسلوں میں آرام بھی کرتے ہیں۔"

"ابو جان! میں نے سنا ہے کہ راج ہنس ایک عقل مند پرندہ ہے یہ اپنے خاندان کے ہر پرندے کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں۔" مصعب بھائی نے کہا۔

"پانی میں تیرتے ہوئے راج ہنس کتنے خوب صورت لگتے ہوں گے نا!!"

"ہاں یہ اچھے تیراک ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف تیرتے ہی نہیں ہیں بلکہ یہ اُڑ بھی سکتے ہیں، حالاں کہ یہ ایک وزنی پرندہ ہے، مگر یہ اڑتے ہیں اور ان کے اڑنے کی رفتار تقریباً 50 سے 60 میل فی گھنٹا ہوتی ہے۔"

عکاشہ کو راج ہنس کے بارے میں معلومات بہت اچھی لگیں۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر راج ہنس کو چھوا نرم ملائم اور بالکل سفید لمبی گردن والا۔

"اس کی گردن کتنی لمبی ہوتی ہے ناں۔" عکاشہ بولا۔

"ہاں بیٹا! اس کی لمبی گردن اس کے لیے بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ آگے پیچھے بآسانی مڑ کر دیکھ سکتا ہے۔"

"یہ نقلی راج ہنس ہے، میں اصلی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں نہیں، کسی دن ان شاء اللہ چڑیا گھر جائیں گے وہاں تم کو اصلی راج ہنس دکھائیں گے، بلکہ وہاں پر تو آسٹریلیا کے بھی کچھ راج ہنس ہیں، اُن کا جسم سفید اور گردن مکمل سیاہ ہوتی ہے۔"

"ان شاء اللہ!" عکاشہ جلدی سے بولا۔

تو ابو، مصعب بھائی اور خزیمہ بھائی مسکرانے لگے۔

دانت کی کہانی

ام محمد مصطفیٰ

میں ایک پیلا دانت ہوں اور میں عفان کے گندے منہ میں رہتا ہوں۔ مجھے عفان کے منہ سے بدبو بھی بہت آتی ہے، مگر کیا کروں، میں اس منہ کو چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتا، لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی کے دن بہت تھوڑے ہیں کیوں کہ دانت صاف نہ رکھنے والے بچوں کے دانتوں کو کیڑے لگ جاتے ہیں، پھر وہ کیڑے زور زور سے ہمیں کاٹتے ہیں، جس سے ہمیں خوب درد ہوتا ہے اور رونا بھی آتا ہے اور آپ کو پتا ہے ہمارے آنسو سرخ رنگ کا خون ہوتے ہیں جو کیڑوں کے کاٹنے سے ہم دانتوں سے جڑے مسوڑوں سے رستا ہے، لیکن عفان کو یہ باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں، ایک تو وہ میٹھی چیزیں بے تحاشا کھاتا ہے اور پھر برش تو دور کی بات کلی بھی نہیں کرتا، کتنی گندی عادت ہے نا!

آپ کو پتا ہے، کل نتاشہ آپی نے عفان کو منہ کی بدبو کی وجہ سے سزا بھی دی اور تو اور ٹیوشن میں کوئی بچہ بھی عفان کے ساتھ بیٹھنے کو راضی نہیں تھا۔ نتاشہ آپی نے اسے واش بیسن پر کلی کرنے بھی بھیجا، عفان ہلکی سی کلی کی جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آپی نے اسے آج آخری بار منہ صاف رکھنے اور دن میں تین بار برش کرنے کی ہدایات دی ہیں، ورنہ اسے ٹیوشن سے فارغ کرنے کی دھمکی دے دی ہے، لیکن ان سب باتوں سے بھی عفان نے کوئی اثر نہیں لیا ہے۔ ابو کتنی محنت سے کام کرکے اسکول اور ٹیوشن کی فیس بھرتے ہیں، لیکن عفان کو کوئی قدر نہیں۔

مگر اب عفان کو سدھرنا ہوگا۔ میں ”دانت“ اسے سبق سکھاؤں گا۔ رات جب عفان سونے کے لیے لیٹا تو میں نے زور سے عفان کے مسوڑھے میں چٹکی کاٹی، عفان کی درد بھری ٹیس بلند ہوئی اور وہ امی کے پاس بھاگا، امی نے عفان کو ایک دوائی والا ٹوتھ پیسٹ دیا کہ اسے اپنے دانتوں پر مل کر پانچ منٹ رکھو، عفان کمرے میں آکر سوچنے لگا کہ اب تو درد ٹھیک ہوگیا، کل کرلوں گا یہ پیسٹ، لیکن عفان کی سستی کو دیکھ کر میں نے ایک اور چٹکی کاٹی، اب تو عفان واش بیسن کی طرف دوڑا اور جلدی سے پیسٹ نکالا، اتنے میں امی نمک والا نیم گرم پانی لے کر آئیں جس سے عفان نے غرارے کیے۔

پھر تو ہم سب صاف ستھرے اور بدبو سے پاک ہو کر بڑے خوش ہوئے، سارے دانت مجھے مسکرا مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ عفان کو بھی اچھا سا احساس ہوا۔

صبح کو دادا جان نے عفان کو مسواک دی کہ ”رات کو اور صبح کو برش کے ساتھ مسواک بھی کیا کرو، اس سے منہ کی بدبو دور ہوگی، مسوڑھے مضبوط ہوں گے اور ہر نماز سے پہلے وضو کے ساتھ اگر مسواک کرلی تو نماز کا ثواب ستر گنا بڑھ جائے گا۔“

عفان ان سب باتوں کو سن متاثر ہوا اور اس نے عزم کیا کہ اب وہ اپنے دانتوں اور منہ کو ہر وقت صاف ستھرا رکھے گا، ان شاء اللہ!

ماحول ہمارا دوست

محمد مبشر عطاری

عثمان ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ پڑھائی میں تو بہت ایک دن عثمان اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ کر رہا تھا اور ساتھ میں وہ سب چپس بھی کھا رہے تھے۔ وہ ایک سڑک پر کھڑے تھے کیوں کہ ابھی اسکول شروع ہونے کی گھنٹی نہیں بجی تھی۔ چپس کھانے کے بعد انھوں نے اُس کا ریپر وہیں پھینک دیا۔

ٹھیلے والے نے اُن کی اس عجیب حرکت پر کہا: ”اس ریپر کو کوڑا دان میں ڈالو۔“

”ارے چچا، کوڑا دان تو بہت دور ہے، اب اتنی دور کون جائے؟ وہ بھی ایک ریپر پھینکنے، ویسے بھی خاکروب یہاں کی صفائی کرتے ہیں، اس کو بھی اٹھا ہی لیں گے۔“ عثمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

اتفاق سے اُس وقت عثمان کے والد اپنے کام پر جا رہے تھے۔ انھوں نے عثمان کو یہ غیر پسندیدہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا۔

شام کو جب وہ واپس آئے تو انھوں نے عثمان کو بلایا اور اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا: ”عثمان آج صبح جب تم نے چپس کا ریپر کوڑا دان کے بجائے زمین پر پھینکا تھا تو میں نے تمھیں دیکھ لیا تھا، دیکھو بیٹا کوڑا کرکٹ پھیلانا کوئی اچھی بات نہیں، اگر سب ایسے کرنے لگیں گے تو ہر جگہ کوڑا کرکٹ کے ڈھیر نظر آئیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ سانس تک لینا مشکل ہوگا۔“

انھوں نے کچھ توقف کیا اور پھر عثمان سے سوال کیا:

”بیٹا! کیا آپ ایسے ماحول میں رہنا پسند کریں گے، جہاں ہر طرف گندی اور بدبو ہو؟“

”نہیں ابو جان!“ عثمان نے کہا۔

”اسی لیے اپنے اور دوسروں کے لیے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کی عادت بناؤ۔“ والد صاحب نے بات مکمل کی۔

عثمان نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کمرے میں آگیا۔

عثمان کے دل پر ابو کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا، کیوں کہ یہ بات اس کے ذہن میں ٹھہری ہوئی تھی کہ خاکروب صفائی کرتے ہیں، اس لیے ماحول کا آلودہ ہونا ناممکن ہے اور ہم بھلا خود کو کیوں تھکاتے پھریں۔

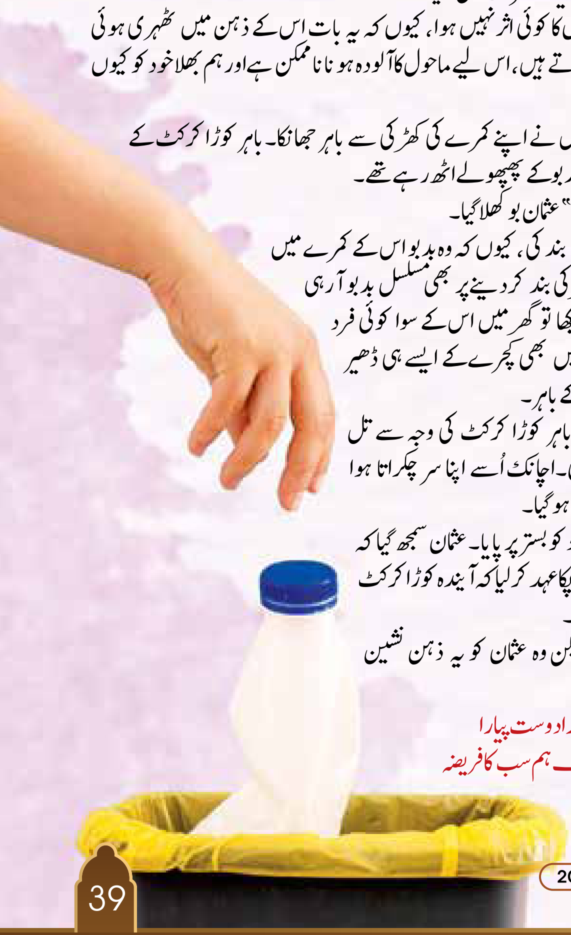

اگلی صبح جب عثمان اٹھا، اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ باہر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر تھے، جن سے ناگوار بدبو کے پھپھولے اٹھ رہے تھے۔

”ارے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ عثمان بوکھلا گیا۔

اس نے جلدی سے کھڑکی بند کی، کیوں کہ وہ بدبو اس کے کمرے میں بھی پھیل رہی تھی۔ کھڑکی بند کر دینے پر بھی مسلسل بدبو آرہی تھی۔ اس نے گھر میں دیکھا تو گھر میں اس کے سوا کوئی فرد نہیں تھا اور پورے گھر میں بھی کچرے کے ایسے ہی ڈھیر لگے ہوئے تھے، جیسے گھر کے باہر۔

عثمان گھر سے باہر نکلا تو باہر کوڑا کرکٹ کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ اچانک اُسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔

جب وہ ہوش میں آیا تو خود کو بستر پر پایا۔ عثمان سمجھ گیا کہ یہ خواب تھا، لیکن اس نے پکا عہد کرلیا کہ آیندہ کوڑا کرکٹ، کوڑے دان میں ڈالوں گا۔

وہ تھا تو ایک خواب ہی لیکن وہ عثمان کو یہ ذہن نشین کروا گیا:

ماحول ہمارا دوست پیارا

اس کی حفاظت ہم سب کا فریضہ

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے عنشہ احمد کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

منیبہ ایوب چیچہ وطنی

محمد عویمر علی، کراچی

عائشہ وقاص ہشتم، کیڈٹ اسکول فیصل آباد

عبدالمعیز، نرسری، اوکاڑہ کینٹ

حافظ عبدالواسع دار القرآن کراچی

عائشہ جنید، معہد الخلیل کراچی

مریم حسین، نہم، الہدیٰ اسکول کراچی

نومبر2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1 : قائد اعظم نے جارج ششم کی دعوت کیوں قبول نہیں تھی؟

سوال نمبر 2: قطبی ابابیل کہاں پیدا ہوتا ہے؟

سوال نمبر 3: منزہ کو دادی نے کیا سکھایا؟

سوال نمبر 4: ثنا کے بھائی نے اس کی کیا چیز چرائی تھی؟

سوال نمبر 5: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے دوران میں سورج کے متعلق کیا اہتمام فرمایا کرتے تھے؟

پیارے بچو!

یقیناآپ دن بھر کی تعلیمی سر گرمیوں سے فارغ ہونے کے بعد یا چھٹی کے دن ذہن اور جسم کی تھکاوٹ دوور کرنے اور تفریح کے لیے کھیلتے ہوں گے۔۔۔کیاآپ کو معلوم ہے کہ کھیلنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔۔۔۔

جی ہاں بالکل جس طرح اور کاموں کے آداب ہوتے ہیں، اسی طرح کھیل کے بھی آداب ہوتے ہیں۔۔۔۔

ہمیں ایسا کھیل کھیلنا چاہیے جس میں ہمارا سارا جسم حرکت کر رہا ہو۔۔۔اس طرح ہماری ورزش بھی ہو جائے گی اور کھیل بھی۔۔۔

اور کھیلنے کودنے کے دوران یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے کھیل سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، اس کا نقصان نہ ہو۔ کھیل کے دوران بھی ہمارے کسی ساتھی کی دل آزاری نہ ہو۔۔

اور ہم یہ بھی کوشش کریں۔۔۔کہ کھیلنے کے دوران اگر ہم ہار بھی جائیں تو ایمان داری سے اپنی ہار اور شکست تسلیم کرلیں۔۔جیتنے والے ساتھی کو آگے بڑھ کر داد بھی دیں اور مبارک باد بھی۔اگر آپ دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ کرنے والے منصفین اور ایمپائر نے فیصلہ دینے میں غلطی کی ہے تو بھی فیصلہ تسلیم کرنے میں ہی بڑا پن ہے۔اگر فیصلے کے خلاف اپیل کا حق دیا گیا ہو تو بہت مہذب انداز سے اور سلیقے سے اپیل کی جائے۔ جھگڑنے اور رعب جمانے کا انداز بالکل نہیں ہونا چاہیے

اور بہت ضروری اور اہم بات۔۔۔یہ کہ۔۔۔ کھیل ہمیشہ ایسے وقت پر کھیلا جائے۔۔۔جس سے ہماری دین اور دنیا کے وقت کا حرج نہ ہو۔۔۔پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔۔

"ہر کھیل باطل ہے جو اللہ کے ذکر سے غافل کردے"

اگست 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: حمزہ کو نماز کو ٹال کر پڑھنے کی عادت تھی

جواب نمبر 2: آسٹریلیا سے آئے تھے

جواب نمبر 3: سورۃ الرعد

جواب نمبر 4: موٹر اور فرش گندگی کی وجہ سے پریشان تھے۔

جواب نمبر 5: سیاح ٹنکو بونے سے

اگست 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

کراچی سے محمد عبداللہ طاہر کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

بلاعنوان کا عنوان

اگست 2021ء میں محمد فیصل علی کی بلاعنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے ام سائح کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔

انہوں نے عنوان دیا ہے

"بے روح آزادی"

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ

اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

محبتِ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

احمد ظہور جامعہ بیت السلام کراچی

دل نبی ،جاں نبی ،میرا ایماں نبی
انس و جن کا راہبر، ہے رب کا ترجماں نبی

گلشنِ رُسلؑ و انبیا کے وہ گلاب ہیں
نجوم سارے انبیا ہیں آقا ماہتاب ہیں

جماعتِ رُسل کا پیشوا و مُقتدا نبی
وہ اک اشارہ چاند کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر گیا

جسے بھی دیکھا پیار سے ایمان اس میں بھر گیا
تیرے دم سے چل رہی ہے آج کہکشاں نبی

ابو بکرؓ، عمرؓ ، غنیؓ صحابہ میں نواب ہیں
علیؓ ، معاویہؓ ، حسینؓ عزتِ مآب ہیں

ہر صحابیؓ ہے ترا قسم سے باوفا نبی
حَسین ہے تو اس قدر کہ چاند شرما گیا

نور سیاہ رات میں بھی سُوئی چمکا گیا
تیرا مثل کیسے، کب ہے، کون ہے، کہاں نبی

تبسمِ جناب گویا منظرِ بہار ہے
تجلیِ حضور سے جہان بر قرار ہے

حبیبِ ربِ کائنات و مقصدِ جہاں نبی
میں آخری نبی ہوں بعد میرے کوئی نبی نہیں

جنابِ عیسی آئیں گے پر ہوں گے وہ نبی نہیں
احمد ظہور ہے یہ قولِ مصطفیٰ نبی

منقبتِ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا

ارسلان اللہ خان

مومنوں کی ماں ہیں بی بی عائشہ
مصطفٰی کی جاں ہیں بی بی عائشہ

جن کی عفّت کی گواہی رب نے دی
اس قدر ذیشان ہیں بی بی عائشہ

ہر خوشی، غم میں نبی کی ہم نَفس
درد کا درماں ہیں بی بی عائشہ

مصطفٰی کی ہیں وہ منظورِ نظر
اُن کی جانِ جاں ہیں بی بی عائشہ

ہیں وہی اوّل محدّث مِن نساء
عالِمِ قُرآں ہیں بی بی عائشہ

کرکے خود خِدمت رسول اللہ کی
شادہ وَ فرحاں ہیں بی بی عائشہ

عزم، ہمّت، حلم، اُلفت، آگہی
پیکرِ عِرفاں ہیں بی بی عائشہ

آپ زوجہ ہیں مرے سرکار کی
باعثِ ایماں ہیں بی بی عائشہ

علم و حکمت، شاعری، دانش، فقہ
سب میں بے پایاں ہیں بی بی عائشہ

امّتِ خیرالبشر پر آپ کے
اَن گنت احساں ہیں بی بی عائشہ

نور کی آیت ہے اُن کی شان میں
ایسی عالی شاں ہیں بی بی عائشہ

آپ سے مروی ہیں کتنی سُنّتیں
ہادیءِ نِسواں ہیں بی بی عائشہ

ہر رفاقت میں رسول اللہ کی
نیّر و تاباں ہیں بی بی عائشہ

فیض پانے کے لیے سرکار سے
ہر گھڑی خواہاں ہیں بی بی عائشہ

آپ آقا کو بہت محبوب ہیں
اس لیے خنداں ہیں بی بی عائشہ

ہیں سبھی امہات گرچہ محترم
آپ ﷺ کی خوباں ہیں بی بی عائشہ

آپ کے صدقے تیمّم مل گیا
ایسی مُشک افشاں ہیں بی بی عائشہ

جِن کے مدح خواں ہیں سارے انبیاء
اُن کی مدح خواں ہیں بی بی عائشہ

قُربتِ آقا میں گُزریں رات دن
اس کی ہی خواہاں ہیں بی بی عائشہ

آپ کو جبرئیل کہتے ہیں سلام
رحمتِ یزداں ہیں بی بی عائشہ

ارسلاںؔ جا کر مدینے ہم کہیں
آپ کے مہماں ہیں بی بی عائشہ

گلدستہ

ترتیب و پیش: عبد الرحمن، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

تصویر کے معاملہ میں شریعتِ محمدیہ ﷺ کی سختی کی وجہ

تصویر کے معاملے میں اس شدّت کی بنیاد در حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کا بدل و جان اقرار کرنا خواہ توحید ذاتِ الٰہی کی ہو یا توحید صفاتِ الٰہی کی ہو یا توحید افعال الٰہی کی ہو, اسلام میں کسی قسم کا شرک قابلِ برداشت نہیں, اس لیے ابتدا ہی سے شریعت نے تمام اسباب شرک پر جن میں تصویر بھی شامل ہے, شدید پابندی لگادی, اسی لیے میں نے کہا کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہ تھا, لیکن اس وقت جب کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کے ذریعہ یہ اعلان کرایا تھا اور یہ احکام نازل فرمائے تھے, خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ آیندہ چل کر یہ فتنہ کتنے عظیم الشان فتنوں کا ذریعہ بنے گا۔(دورِ حاضر کے فتنے اور ان کا علاج, ص:53-54, محدّث العصر مولانا یوسف بنوریؒ)

فتح کے بعد قریش کے ساتھ مسلمانوں کا حسنِ سلوک

ذرا اس موقع پر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ عظیم اور مسلمانوں کا حسنِ سلوک ملاحظہ ہو کہ قریش اس وقت سب لرزہ براندام تھے, کانپ رہے تھے کہ آج ہم کو قرارِ واقعی سزا دی جائے گی۔ ہمارے بیوی بچے ہمارے سامنے ذلیل اور مارے جائیں گے۔ مگر اللہ اکبر! اسلام کا حسنِ اقبال اور سراپا ترحّم کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خطاب کرکے فرمایا کہ تم ہر طرح سے آزاد اور مامون ہو اور کنجی بھی خانہ کعبہ کی ان ہی کو واپس فرمادی۔ سبحان اللہ! ادھر ابو سفیان جو قریش کے بڑے علَم بردار تھے اور تقریباً لڑائیوں کے تمام مواقع میں ان کی فوج کے افسر بھی ہوتے تھے۔ یہ جس وقت قید ہو کر حاضر ہوئے تو دربارِ نبوی سے معافی کا حکم صادر ہو گیا۔ اسی کا یہ اثر ہوا کہ فوراً ابو سفیان اسلام کے حلق بگوش ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد ایک شخص کانپتا ہوا خدمت مبارک میں حاضر ہوا, فرمایا: اطمینان رکھو, ڈرو نہیں, میں کوئی بادشاہ نہیں ایک معمولی عورت کا بیٹا ہوں۔ (تعلیماتِ اسلام, ص:358, مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خان)

مسلسل کوشش

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تبلیغ کرتے رہے۔ لوگ مان کر نہ دیں, وہ تبلیغ نہ چھوڑیں۔ ساڑھے نو سو برس سینکڑوں سال ہوتے ہیں, ایک دو دن نہیں, پھر اسّی آدمی مسلمان ہوئے۔ اس میں زیادہ اپنے خاندان کے, پھر اس میں بھی ایک بیٹا کافر, غرض یہ ہے کہ کوشش کرتا رہے, اللہ کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے, حاصل دیکھ کیا ہوا۔ بس تم کو درجہ مل جائے تو محنت وصول ہے۔ اختیاری امور کیا ہیں, روزہ رکھنا, حلال کھانا حرام سے بچنا, چغلی, عیب جوئی, زبان کے گناہ, حسد, بغض, کینہ, حبّ مال, حبّ جاہ, یہ دل کے کبیرہ گناہ ہیں۔ ان سے بچنا انسان کا اختیاری فعل ہے, کرتا رہے, تھکے نہیں تو اللہ کسی کی کوشش کو ضایع نہیں کرتے۔ (مجالس مفتی اعظم, ص:362 , مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب)

حقوق العباد

حقوق العباد کا معاملہ بہت اہم ہے۔ عام طور پر لوگوں کو اس کی پروانہیں ہوتی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے, اگر کوئی شخص اللہ کی ستر (70) نافرمانیاں لے کر قیامت کے میدان میں پہنچے تو یہ اس کا ہلکا جرم ہے کہ کسی بندے کا ایک حق اپنے ذمے لے کر میدانِ قیامت میں حاضر ہو, کیوں کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے, اس سے معافی کی امید رکھی جائے, لیکن بندے چوں کہ محتاج ہیں ان کی حقوق کی ادائیگی کا دھیان رکھنا اور حقوق العباد سے پاک ہو کر جانا بہت زیادہ اہم اور نہایت ضروری ہے۔ (اصلاح المسلم, ص:112, عبد الستار بن محمد عمر)

اسلام میں وقت کی اہمیت

اسلامی نظامِ شریعت اور آداب، فرائض وواجبات میں مومن کو اللہ نے اس کے روزمرہ کے اُمور میں ایک نظام کا پابند کیا ہے اور ہر مرحلۂ حیات اور اس کے ہر ایک جزسے فائدہ حاصل کرنے کے اہتمام کا شعور اس کے اندر بیدار کیا گیا ہے۔ یہ نظام کائنات کی حرکت، چاند اور ستاروں کی گردش، دن اور رات کے اختلافات، جب رات پلٹتی ہے اور صبح کا اجالا پھیلنے لگتا ہے، اللہ کی طرف دعوت دینے والا کھڑا ہوتا اور آفاق میں اہلِ غفلت اور خوابیدہ انسانوں کو بیدار کرتے ہوئے اپنے نغمہ خوش گلو کا رس گھول دیتا ہے۔ "حیّ علی الصلاۃ حیّ علی الفلاح، الصلاۃ خیر من النّوم" جس کے جواب میں ایک مومن اور شاکر انسان انتہائی متواضع حالت میں رب کو یاد کرتے ہوئے اٹھتا اور اس کی عبادت بجالاتا ہے۔

ایسے ہی جب دوپہر کا سورج ڈھل جاتا ہے اور لوگ اپنے کاموں میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں اور عصر کے وقت جب سورج چھپنے لگتا اور کاروبار اپنے عروج پر ہوتا ہے اور سرِ شام جب سورج غائب ہو جائے اور اس کے بعد جب شفق کی سرخی کے ساتھ ساتھ آج کا دن ختم ہو جائے، یہی مبارک اذان ہمارے کانوں سے ٹکراتی ہے، نفوسِ قدسیہ بیدار ہوتے ہیں اور اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، اس طرح مؤمن کا دن جو اللہ کی بندگی سے شروع ہوا تھا، اللہ کی بندگی پر ختم ہو گیا۔

(علمائے سلف کا شوقِ علم، ص: 394، مولانا محمد نعمان صاحب)

حضرت لقمانؒ کی خوب صورت باتیں

* سچائی کو اپنا فرض سمجھو

* جو کوئی جھوٹ بولتا ہے، اس کا چہرہ بے رونق ہوتا ہے۔

* ماں باپ کی خدمت اس طرح مفید ہے جس طرح کھیت کے لیے پانی۔

* کبھی جاہل کو اپنا دوست نہ رکھو اور کسی عقل مند کو اپنا دشمن نہ بنانا۔

* قرض لینے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ، کیوں کہ قرض دن کی ذلت اور رات کا غم ہے۔

(گل دستہ، ص: 61، انیسہ زبیری)

لا الٰہ الّا اللہ

جہان فکر نظر لا الہ الا اللہ
متاعِ اہلِ خبر لا الہ الا اللہ
یہ ذکر حق کی متاع عزیز کیا شے ہے
نہیں کسی کو خبر لا الہ الا اللہ
زہے نصیب یہ دولت اگر مجھے مل جائے
ہر لب پہ شام و سحر لاالہ الا اللہ
کہیں بھی بحر معاصی میں غرق ہوجاتے
نہ ہوتا ساتھ اگر لا الہ الا اللہ
یہ ایک ذرّہ ہے مصروف یادِ حق کیفیؔ
وہ برگ ہو کہ شجر لا الہ الا اللہ

زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے محمود الرشید کا انتخاب

کثرت نہیں برکت

آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے۔ برکت کا مفہوم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ برکت اس چیز کو کہتے ہیں۔ تھوڑی سی چیز میں زیادہ فائدہ حاصل ہو جائے، مثلاً آج آپ نے پیسے تو بہت کمائے، لیکن جب گھر پہنچے تو پتا چلا کہ بچہ بیمار ہے، اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے اور ایک ہی طبّی معائنہ میں وہ سارے پیسے خرچ ہو گئے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو پیسے کمائے تھے، اس میں برکت نہ ہوئی یا مثلاً آپ پیسے کما کر گھر جا رہے تھے کہ راستہ میں ڈاکو مل گیا اور اس نے پستول رکھ کر سارے پیسے چھین لیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیسے تو حاصل ہوئے، لیکن اس میں برکت نہیں ہوئی یا مثلاً آپ نے پیسہ کما کر کھانا کھایا اور اس کھانے کے نتیجے میں آپ کو بدہضمی ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں برکت نہ ہوئی۔

یہ سب بے برکتی کی نشانیاں ہیں۔ برکت یہ ہے کہ آپ نے پیسے تو کم کمائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تھوڑے پیسوں میں زیادہ کام بنا دیے اور آپ کے بہت سے کام نکل گئے، اس کا نام ہے برکت۔ یہ برکت اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔

(اصلاحی خطبات، ج: 9، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم)

یتیم بچوں کا سائبان

رپورٹ: خالد معین

سائبان عالمی رفاہی ادارے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کا ذیلی شعبہ ہے، جو یتیم بچوں کی دیکھ بھال اور کفالت کا انتظام اور اہتمام کرتا ہے۔ یتیم بچوں کی دیکھ بھال اور کفالت بالخصوص ان کی تعلیم و تربیت بیت السلام کے مستقل شعبہ جات اور خدمات کا حصہ ہے۔ اس وقت اندرون و بیرون ملک 1400 یتیم بچے سائبان کے زیر انتظام واہتمام زیر کفالت ہیں۔ اور بیت السلام کے سائبان کا ہدف یہ ہے کہ ایک سال میں مزید ایک ہزار یتیموں کی کفالت کا انتظام کرسکے۔

نادار اور ضرورت مند مستحق گھرانوں کے ایسے یتیم بچے جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو اور ان کی عمر 12 سال سے کم ہو اور ان کا تعلیمی سلسلہ جاری ہو بیت السلام کا سائبان ان یتیم بچوں کو ان کی قومی شناخت کے حصول میں تعاون سے لے کر، ان کی بہترین تعلیم و تربیت کے مواقع، اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرتا ہے۔ سائبان کے کیس آفیسرز یتیم اور بے سہارا بچوں کے ہر گھرانے کو انفرادی طور پر تحقیق کرنے کے بعد ان کی ضروریات کا تعین کرکے تعاون کی ترتیب بناتے ہیں۔ یاد رہے ایک انتہائی محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 45 لاکھ یتیم بچے ہمارے تعاون کے محتاج ہیں اور ان میں ایک بڑی تعداد ایسے بچوں کی ہے، جو اپنے کوائف بشمول برتھ سرٹیفکیٹ، 'ب' فارم، والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے نادرا کے نظام میں شامل ہی نہیں۔

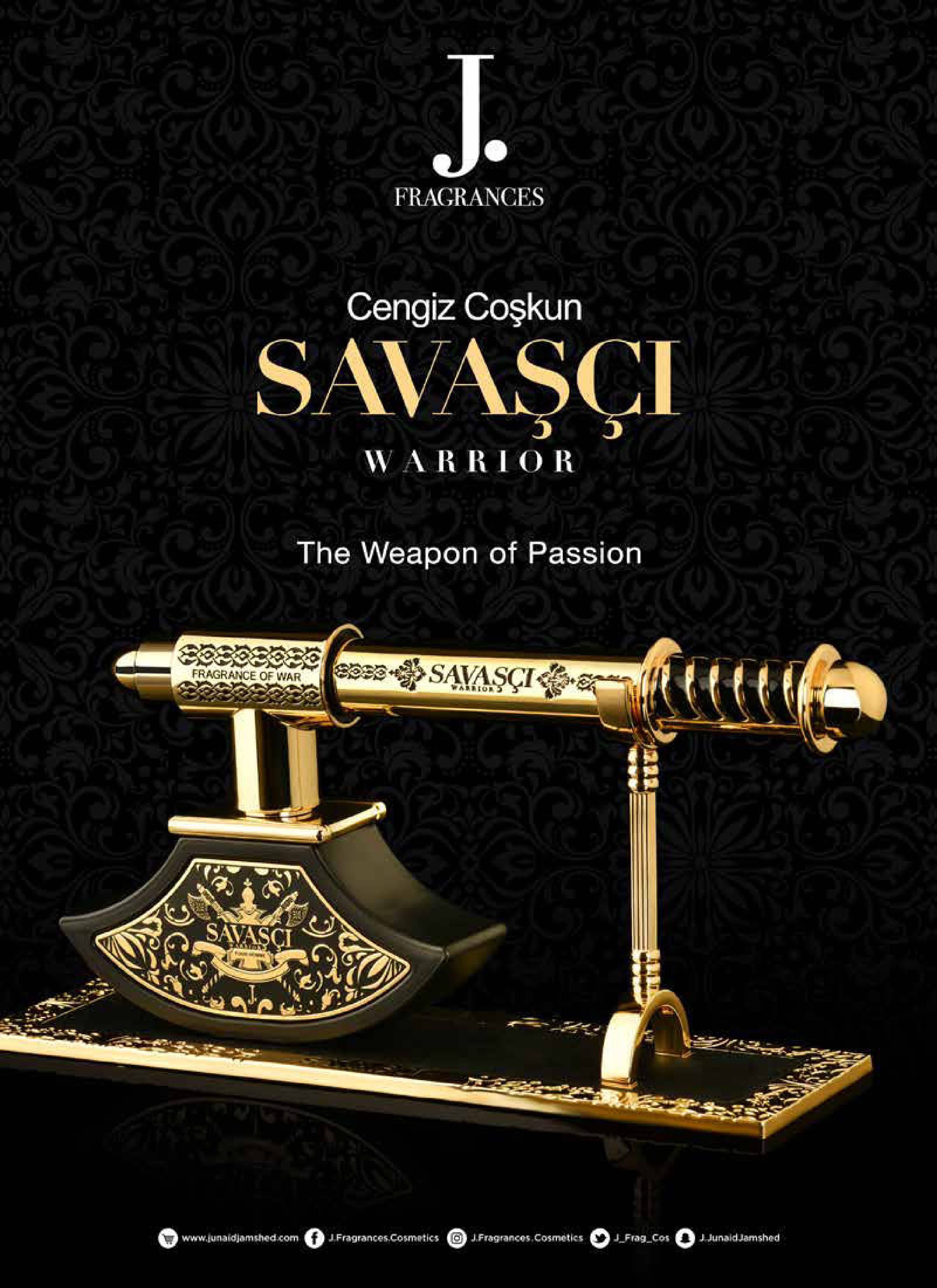
J.
FRAGRANCES
Cengiz Coşkun
SAVAŞÇI
WARRIOR
The Weapon of Passion
FRAGRANCE OF WAR
SAVAŞÇI
WARRIOR
SAVAŞÇI
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J.Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

پاکستان | ترکی | شام | برما | فلسطین

کے بعد اب

افغانستان

کے ضرورتمندوں یتیموں بیواؤں اور محتاجوں کیلئے

اشیاء، دوائیں
غذائی اجناس
کنٹینرز کی
صورت میں

Bank: **MEEZAN BANK**
Branch: Dha **Phase 4** Branch
Branch Code: **0127**
Swift Code: **MEZNPKKA**
Account Title: **Baitussalam Welfare Trust**

International Welfare Projects - **Zakat**
Account No. : **0127-0102494031**
IBAN: **PK95MEZN0001270102494031**

International Welfare Projects - **Sadaqah**
Account No. : **0127-0102494084**
IBAN: **PK22MEZN0001270102494084**

Bank: **BANKISLAMI PAKISTAN LIMITED**
Branch: DHA **Phase 4** Branch
Swift Code: **BKIPPKKA**
Account Title: **Baitussalam Welfare Trust**

Zakat
Account no: **1024-1030876-0673**
IBAN: **PK48BKIP0102410308760673**

Sadaqah
Account no: **1024-1030876-0672**
IBAN: **PK75BKIP0102410308760672**

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

بیت السلام
BAITUSSALAM